



نیل کی

ابن صغیر
آپ کے محنت اور ہمت و فضل و کرم سے
ابن صغیر کی مقبول و مشہور تصانیف
جو کہیں نہ نہیں سکتی۔ ابن صغیر
کی حکایتوں کا ایک نمونہ کتاب

کیٹن

وہ ترکی کو بھی کے چھانک پر کھڑے
ہوئے سنتری نے گولی چلا دی اور
سنائیے میں ایک انسانی پنج لہرا کر تار کی میں ڈوبتی جلی گئی۔
خونخوار پھان سنتری نے اپنی زبان میں فتح کا نعرہ لگایا۔
چھانک کر کرار لہٹ کی آواز کے ساتھ کھلا اور کیٹن کو تھر
باہر نکل آیا۔ اس کے ساتھ دو سچ نو جوان تھے۔
”خو صاحب!“ پھان راضی کے کندھے پر ہاتھ مار کر
بولائے ”تھن چہرہ رسید“
سنائیے کا طے ٹوٹ چکا تھا اور اب قرب و جوار کی علاقوں
کی کھڑکیاں کھٹنے لگی تھیں پھر ذرا سی ہی دیر میں پھان خاصا
جمع اکٹھا ہو گیا۔ لو تھر نے اپنے سنتری کو چھانک کے اندر
دھکیل دیا۔
”اندر جاؤ! اس نے تھکا رہے ہیں۔“
اس کے ساتھ کے سچ آدمیوں نے اپنے ریلو اور اچھی
رج پھیلایے اور پھر وہ آگے بڑھے۔ جمع میں کئی ناچیں روشن
نہر آ رہی تھیں۔
شور بڑھنے لگا اور جب کیٹن لو تھر نے زمین پر پڑے
ہوئے آدمی کا چہرہ دیکھا تو خود اس کے چہرے کی رنگت بدلی گئی۔
اس کے پیر کا پٹنے لگے۔ اسنے میں بھیجے کسی نے بلند آواز میں
کہا: ”میں نے راضی کی آواز صاف سنی تھی!“
”مگر کہیں بھی زخم کا نشان نہیں ہے۔ خون کی ایک بوند
بھی کہیں نظر نہیں آتی!“ کسی دوسرے نے کہا۔
”وہ کیسے ممکن ہے؟ تھیرا بولا“ میں نے بھی گولی چلنے
کی آواز سنی تھی!“
لو تھر نے اختیار لاش پر ٹھیک پڑا۔ لوگ اور پھر ہٹ
گئے کیونکہ اس کا شمار رستی کے ستر زخموں لوگوں میں ہوتا تھا۔ یہ
حقیقت تھی کہ مرنے والے کے جسم پر گولی کا نشان نہیں تھا۔
لو تھر کے دونوں ساتھی موت بنے تھڑے تھے۔ ایسا
معلوم پور لڑ تھا جیسے ان کے پییدہ جہیزوں پر اب بھی زندگی...
جھلکیاں نہ مارے گی۔ خود لو تھر کی سانس بڑی طرح پھول رہی
تھی۔ وہ لاش کے پاس سے ہٹ گئی اور اس نے بھی دہی
زبان سے میرٹ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ راضی کی آواز اس
نے بھی سنی تھی۔ وہ کچھ دیر تک خاموش کھڑا پھر اس نے
کئی لوگوں کو بتایا کہ وہ مرنے والے سے تجویز واثق ہے۔ وہ اس
کے لیے کوئی جتن نہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ کسی سے ملنے کے

لیے آ رہا ہو۔

”لیکن آخر یہ مرا کیسے؟“ کسی نے پوچھا۔
”مجھے خود میرے ہے۔“ لو تھر بڑبڑایا نہ یہ میرے ساتھیوں
میں سے تھا۔ پھر وہ مضطرب انداز میں اپنے ساتھیوں کی طرف
مڑ کر بولا: ”اے... خون کرو جلدی پولیس کو!“
”وہ دونوں چھانک کی طرف دوڑے۔ پھان پھر انکسے
لگا ہوا کھڑا تھا۔ دھکا لگتے ہی وہ پیچھے کی طرف اٹھ گیا اور اس
نے اٹھتے اٹھتے انھیں ایک بڑی سی گالی دی۔
”چلو، آؤ اندر چلو!“ وہ اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر کھینچتے
ہوئے بولے۔ پھان غور آتا ہوا ان کے ساتھ چلنے لگا۔
”اُسے گولی تیس لگی!“ ایک نے پھان سے کہا۔ وہ تینوں
ایک کمرے میں پہنچ چکے تھے۔
”خو کیا کرے بابا!“ پھان جھٹکا کر بولا: ”اندر میرا تھا...“
”نہم جتی ہے نہ ہم جتہ ہے نہ“
”لیکن وہ پھر بھی مر گیا؟“
”اللہ بڑا کار ساز ہے!“ پھان نے خوش ہو کر کہا۔
”مگر وہ ہمارا دشمن نہیں دوست تھا!“
”خوتجی گولی تیس لگا۔ اللہ بڑا کار ساز ہے!“
”لیکن وہ مرا کیسے؟“
”اللہ کا مرضی!“
”جاؤ، تم خون کرو پولیس کو!“ پھان سے گفتگو کرنے والے
نے اپنے ساتھی سے کہا۔
”اس کے جانے کے بعد اس نے پھر پھان سے پوچھا: کیا
وہ سیدھا دوسرا ہی آ رہا تھا؟“
”نہیں جو کا مانگ چھپتا تھا۔ پھان نے جواب دیا۔
”تم نے گولی چلا دی۔“
”او یا... ہاں ہاں... پھر کیا کرتا اس کو نہ اور کیا کرتا؟“
”تم اپنی راضی کی نال صاف کر کے اس میں تیس ڈال دو۔“
”کیجیے، جلدی جاؤ اور پتی میں ایک کاروں اور لگاؤ۔ کوئی خانہ خالی
نہ رہے۔ جاؤ جلدی کرو اور اب تم سوچانا!“
پھان اس کمرے میں داخل ہوا جہاں شکار کا سامان رہتا
تھا۔ یہاں دو لوگوں پر کئی چھوٹی بڑی رافٹیں نظر آ رہی تھیں۔
اسلحہ جات میں کچھ قدیم نمونے بھی تھے جنہیں بڑے سلیتے سے مناب
مقامات پر رکھا گیا تھا۔
کیٹن لو تھر معززین شہر میں سے تھا۔ اس نے گزشتہ دن کی

میں گراں دیدہ فرقی خوات اور اکی تھیں اور ادب و شان و شوکت کا مذاق
گزار رہا تھا۔ یہی نہیں وہ ایک مشہور شکاری اور شہنشاہ کا کھوکھرا بیا
جی رہا تھا۔ نسا انٹرو انٹرن تھلہ رہی ہیں کافی محنت لوگوں

جیسا کہ تھا۔
پٹھان نے داخل کی تھل کھولی۔ اسے ایک لمبے برش
سے صاف کرتا رہا پھر تھل دے کر اس داخل کو بھی دلواسے
نکلایا۔ پھر وہ بڑی بھرتی سے کمرے سے نکل کر باہر باغ
میں جیلی بڑی تاج کی گم ہو گیا۔ اگر عمارت سے کوئی انھیں
بھی بھاڑتا تو اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

کیا ڈنڈ میں عمارت کا باباں بازو ایک ایسی جگہ تھا جہاں
کوئی نہیں جاتا تھا۔ ادھر دھڑکے تھے اور دونوں کی جھین ٹوٹی
ہوئی تھیں۔ عمارت قلم تھی اور اس کے کھین اتنے بے پروا
تھے کہ درانسی حصوں کے علاوہ انھیں دوسری طرف نظر ڈالنے
کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی تھی۔ خاص طور سے باباں بازو
کے یہ دونوں کمرے تو سالہا سال سے اسی اجماع حالت میں
پرستے ہوئے تھے۔

پٹھان کھول کے نزدیک پہنچ کر گریڈ بڑی بڑی
قد آدم جھاریل ان کے برفی دروازوں پر ٹھک آئی تھیں۔
پٹھان نے ایک نارنج نکالی جو اس نے اپنی ٹھیکر دار شکوہ
میں اس آؤس رکھی تھی۔ بڑی احتیاط سے جھاریل بٹاتا ہوا
وہ دروازوں کی طرف بڑھا۔ دروازوں کی اوپر ہی سطح دیکھوں
کی کھائی ہوئی تھی اور وہ اندر سے بند معلوم ہوتے تھے۔ پٹھان
نے بڑی سرعت سے ایک دروازے کا ایک پٹ نکال لیا۔
ایسا معلوم ہوا جیسے وہ پہلے ہی سے چو کھنوں سے اگک
رہا ہو۔

دوسرے لمحے وہ اندر تھا۔
کمرے کے وسط میں گری ہوئی جھت کے لیے کا ڈھیر تھا
پٹھان نے نارنج روشن کر کے چاروں طرف نگاہیں ڈالیں
کے ایک بڑے صاف دروازے کی طرف بڑھا جو دلواسے
لگا رکھا تھا۔ صندوق پرانا ضرور تھا لیکن یہ گز نہیں کہا سیا
سکتا تھا کہ وہ بھی دباں اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ لمبے کا ڈھیر۔
پٹھان نے صندوق کا ڈھکن اٹھا لیا۔ دوسرے ہی
لمحہ اس کے منہ سے ہلکی سی تیز زہا آواز نکلی۔ کسی آدمی کا
مردہ جسم کو ڈھر ڈھر صندوق میں پھنوس دیا گیا تھا۔
پٹھان چند لمحے صامت دساکٹ کھڑا رہا پھر کھڑے

سے بڑھایا۔ میرا سامان کیا ہوا؟
اس کی بڑھاپٹ اڑو کے کالی لہجے میں نہیں تھی۔

اس نے پھر لاش پر تاج کی روشنی ڈالی۔ مرنے والے کا
چہرہ سامنے ہی تھا۔ وہ کوئی غیر ملکی معلوم ہوتا تھا۔ جلد کی رنگت
صوری تھی اور بل سرخی مائل تھی۔ لباس انگریزی وضع کا تھا
لیکن گلی میں ٹائی نہیں تھی۔

پٹھان نے نارنج بھاڑی۔ اس کے چہرے پر صحت جرت
تھی۔ سرانگی کے آثار قتل نہ تھے۔ اس نے نارنج کو لمبے کے نیچر
پر اس طرح رکھ دیا کہ اس کا رخ صندوق کی طرف رہے پھر اسے
روشن کر کے وہ صندوق کی طرف پٹ آیا۔

پھر اس نے لاش صندوق سے نکال کر فرش پر ڈال دی
گوئی خشک ریزہ کی بڑی پرنگی تھی۔ پچھلا حصہ خون سے تر تھا۔
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ تھوڑی ہی دیر پہلے کی بات ہو جہم
کے بعض حصوں میں ابھی تک محوڑی محوڑی گری تھی۔

پٹھان نے بڑی تیزی سے اس کی پیوں کی تلاشی لی اور
پھر جو کچھ بھی پکڑا ہوا اسے اپنی لمبی قمیص کی مختلف جیبوں میں
ضمون تالیا۔ پانچ ہی منٹ کے بعد اس نے لاش کو دوبارہ صندوق
میں رکھ کر ڈھکن اس طرح بند کر دیا کہ پھر نارنج بھاڑنے ہی والا
تھا کہ باہر سے کسی نے دروازہ ہٹایا۔ پٹھان بڑی بھرتی سے
زیر پر لپٹ کر لمبے کے ڈھکے پیچھے رہ گیا۔

باہر سرک پر بدستور پھر تھی۔ لوگوں کو پولیس کی آمد کا
انتظار تھا۔ ان میں کشیش لوہر بھی تھا۔

پولیس آگئی اور جس وقت کو والی انچارج ہنسپیکر گیلش
نہاں کو دیکھا اس کے منہ سے جھلاٹ میں ایک موتی سی نکلی
نکلی پھر اچانک اس کی نظریں پٹ پر پڑی۔

”کیا یہی آپ ہی کا لاش ہے؟“ اس نے پھر لوگوں کو دیکھا
”ہاں جی ہاں۔“

”اور آپ کوئی ڈھنگ کا بیان نہیں دے سکتا ہاتھ؟“
”ڈھنگ کے بیان سے آپ کی کیا مراد ہے؟“ لوہر نے تیز
ہو کر پوچھا۔

”اس سے قبل ہی دوسری لاشیں ہیں مل چکی ہیں اور
وہ دونوں بھی ایسی ہی تھیں جنہیں آپ پہچانتے تھے۔ اور اب یہ
تیسری... اور وہی تہی کمر“
”میں کچھ نہیں جانتا۔ ضروری نہیں کہ میں اس مسئلے میں

کوئی خاص بات جانتا ہوں اور اگر آپ کو میرا بیان لینا ہو تو
کوئی بھی تشریف لائے گا۔“

پھر لوہر اچانک مڑا اور پھر غور انداز میں چلتا ہوا اپنی
کوٹھی میں داخل ہو گیا۔

”اچھا بیٹا جھول کا تم سے“ جگدیش بڑبڑا کر رہ گیا۔
پھر اس نے لمبے سے غلب ہو کر لپچا۔ سب سے پہلے لاش
کس نے دیکھی تھی؟

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ جگدیش نے پھر اپنا سوال
دہرایا لیکن وہ جی خاموشی۔

اس کا پارہ چڑھ گیا۔ ابھی لوہر کے تو بین آئینہ روئے
کی مذمت اور جھلاٹ ہی باقی تھی اس پر نیچے کا سکوت۔
آخر اس نے غرغ کر کہا بہت اچھا۔ نہیں بولتے تو جس پر
شہہ ہو گا نہ کروں گا۔

ایک آدمی آگے بڑھا۔
”دیکھیے۔“ اس نے نرم آواز میں کہا۔ یہ بتانا بہت

مشکل ہے کہ سب سے پہلے یہاں کون پہنچا۔ پھر اس لیے
ہر گویا کو ہم نے پہلے تو داخل کی آواز کسی مادہ پھر ایک چیخ
”داخل کی آواز؟“ جگدیش نے حیرت سے کہا۔

”جی ہاں! داخل کی آواز اور پھر چیخ۔ لیکن اس کے ہم
پر کچھ بھی گولی نہیں گئی ہے۔“

”نہیں اسے گولی نہیں گئی۔ جگدیش لاش پر جھکتا ہوا بولا۔
”مثلی کمر... اس کے داہنے گال پر بھی دہی ہی تہی کمر موجود
ہے جیسی پہلی دلا تھوں میں باقی تھی۔“ پھر وہ سیدھا کھڑا
ہو کر بولا دیکھ لو پھر یہاں تنہا تھا۔“

”نہیں وہ جہم ہی کیا تھا۔ ایک آدمی نے کہا۔
”آپ لوگوں کے آنے کے بعد؟“

”جی ہاں! ہم جی تھے۔“
جگدیش کچھ سوچنے لگا۔ اس کی نظریں لوہر کی کوٹھی پر

جی ہوئی تھیں۔



پٹھان نے سانس روک لی تھی اور لمبے کے ڈھیر میں دیکھا
ہوا دروازہ ہٹانے والے کا خطرہ لائیں اسے آہٹ تک نہ ملی
اس نے ذرا سا سر اٹھا کر دیکھا۔ دروازہ لپٹی جگہ سے ہٹا ہوا
تھا لیکن اسے کمرے میں کسی دوسرے شخص کی موجودگی کا
احساس تک نہ ہوا۔

پٹھان آہستہ آہستہ سیدھا کھڑا ہونے کی کوشش کر
ہی رہا تھا کہ ایک ٹھنڈی سی ٹھوس چیز اس کی گردن سے آگئی
اور ساتھ ہی کسی نے سانب کی کی پٹھان کا سر کہا۔

”خبردار! اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“
پٹھان جہاں تھا... وہیں رہ گیا۔

”ماتھ اوپر اٹھاؤ۔“ اس بار تھی سے کہا گیا۔
”آہا!“ پٹھان نے خوش ہو کر کہا۔ ماسٹرنگ ہی اتم

ہے بابا... ہم بھجا دوں۔“
”کون!“ صراحت کر کے آواز میں کہا۔ سنتری اتم

یہاں کیا کر رہے ہو؟“
”او... ہا... ہم ادھر روشن دیکھا تھا۔“

”کہاں؟“
”ابھی... ادھر... گھسا... ہم کیا تو غائب۔“

صراحت کر کے روشن کر لی۔ پہلے اس نے پٹھان
کے چہرے پر ٹوٹنے والی نظر ڈالی اور پھر ادھر ادھر نارنج
گھما لئے لگا۔

یہ لیکن لوہر کا میر شکاری سنگ ہی تھا۔ دہلا پٹلا
اور پہلے ہم کا آدمی۔ نسا دو غلی ہم کا جینی تھا۔ اس کا باپ

جینی تھا اور ماں منگول اور اکثر سنگ جی بڑے غریب انداز میں
کہا کرتا تھا کہ اس کے باپ نے اس کی ماں سے اس کی پیدائش

کے بعد بھی شادی نہیں کی تھی۔ وہ خود کو اس انداز میں
”حرامی“ کہتا تھا جیسے وہ کسی شہنشاہ کا عطا کردہ کوئی بہت

بڑا مہراز ہو۔ لیکن لوہر کے سارے آدمی اس سے بڑی طرح
خائف رہتے تھے۔ بظاہر اس کا دہلا پٹلا اور پہلا ہم باندھ باندھ

نظر آتا تھا لیکن اس کی شیطانی گرفت سے کچھ وہی لوگ واقف
تھے جنہیں اس سے کم از کم ایک بار ہی لپٹ پڑنے کا موقع ملا

تھا۔ ان کا خیال تھا کہ سنگ ہی ایک بڑوں دار جو کہ ہے۔
سنگ جی نے ایک بار پھر پٹھان کے چہرے پر روشنی ڈالی اور

پٹھان نے بڑا سامنے بنا کر کہا۔
”او... کیا کوئی ماسٹر؟“ کچھ ہونڈے لگا؟

”باہر چلے۔ سنگ جی پھر سانب کی طرح پھٹکا۔
پٹھان جی چاہا باہر نکلا گیا۔ سنگ جی اس کے پیچھے تھا۔

باہر نکل کر پٹھان کھڑا ہو گیا۔ ”میرے ساتھ آؤ۔ سنگ جی کو غلی
کے رہائشی تھے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہ ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئے جہاں لوہر بڑی

سب سے پہلی سے پہلے رہا تھا۔ سوئے پر اس کے دونوں ساتھی بیٹھے ہوئے تھے جنہیں نے کروہ باہر گیا تھا۔ سنگ نے جی زبان میں کچھ کہا اور کیپٹن کو پھر تو پک کر پتھان کو گھوڑے لگا۔

”تم وہاں کیا کر رہے تھے خان؟ اس نے پوچھا۔
”خو صاحب! اور ایک آدمی گھسا، ہم بھی گھسا، ہم گھسا
دوڑن۔ پتھان نے رک کر تم قہر لگا یا پھر بولا: وہاں مٹری تھا۔
”تم بھڑے ہو۔“ سنگ نے جی کر بولا۔

”ہم جھوٹا ہے۔ پتھان نے تحیر آمیز جھلپا ہٹ کے ساتھ کہا اور حیرت و انتہا میں کر بولا: غورم... دعا باز کا بچہ ہم کو جھوٹا کو بتا ہے۔ ہم تمہارا جی تو بی قہر کرے گا۔“

پتھان اس کی طرف جھپٹا۔ نو پھر درمیان میں آگیا۔
”صاحب! تم سٹ جاؤ۔ ہم دیکھنے کا حرازی پختہ کو۔“
”ظہور! کیلے ہو جی ہے، سنگ نے جی تم ادھر جاؤ۔“
پتھان رک تو گیا لیکن وہ بڑی تہر آلود نظروں سے سنگ ہی کو گھور رہا تھا۔

”تم نے وہاں اور کیا دیکھا؟“ نو پھر نے پتھان سے پوچھا۔
”خو صاحب! کچھ بھی نہیں! ہم اس کا بول پیچا نہ تھا۔
نہیں تو گردن توڑ دیتا۔“
”اچھا میں نہیں دیکھوں گا۔“ سنگ نے جی اُسے گھونسا دکھا کر بولا۔

”ہم تمہارا باب تک کو دیکھنے گا۔“ حرازی بچے۔
”ختم کرو۔“ نو پھر ہاتھ اٹھا کر بولا: یہ آپس میں لڑنے کا موقع نہیں۔“

”ہم حکم کا بندہ ہے۔ پتھان نے کہا: ونے ہار تھو۔
خواب ہے ہم دوڑی کو گولی مارا۔“ دوست گھبرا گیا۔
”نہیں اُسے گولی نہیں گئی۔“ نو پھر بولا: اچھا اب تم جاؤ لیکن دن کو یہاں کبھی نہ آنا۔“

دوسری صبح اسپیکر جنگ لیش فریدی کے ڈرامنگ روم میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ سب سے پہلے حمید سے ملاقات ہوئی۔ وہ اپنے پالتو بکرے کی زنجیر تھامے ہوئے اس شان سے ڈرامنگ روم میں داخل ہوا جیسے وہ بکرہ انہیں بلکہ کوئی خونخوار قسم کا کتا ہو۔ اس کے گلے میں ٹانگی لٹک رہی تھی اور سر پینٹ حدیث منہ ہا ہوا تھا۔ بکواسی اب اس کا

خاموشی پر کچھ حجاب سے وہ اس کے ہمراہ ایک حصہ ہو۔
”آپ اسپیکر جنگ لیش جی! تمہارے بکرے کی طرف دیکھ کر اس انداز میں کہا جیسے جنگ لیش کا اس سے تعارف کر رہا ہو اور آپ ہمیں بزمِ ارخان۔“

لفظ پھر شاید ایک اشارہ تھا جس پر بکرے نے اپنا ایک اگلیہ اٹھایا۔

”تو اب حضور داری ہو رہے ہیں۔“ جنگ لیش مسکرا کر بولا پھر دفتہ سنجیدہ ہو گیا: اب تمہارے مدکرے ادھر دوڑ بھی تے جانے لگے ہیں۔ کیوں اپنی مٹی پلید کر رہے ہو؟
”کیا مدکرے ہیں؟“ حمید نے اپنی دانائی اٹھ کر دبا کر بولا۔
”ہیہ کی کاوش کر لے پھر تے ہو۔“

”اوہ... یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ لوگوں کی زبان کہاں تک بند کر دے؟“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔
”اب یہی دیکھو جب تم فریدی صاحب کے ساتھ ہوتے ہو تو چاروں طرف انگلیاں اٹھنے لگتی ہیں۔“

”تو پھر کیا مطلب؟“
”مطلب کیا! لوگ کہتے ہیں کہ تاجر آدمی ہو کر گدھا ساتھ لے پھرتا ہے۔“

”تم فرود گئے ہو؟“
”میں گدھوں کی بات کا ٹرا نہیں مانتا۔“
جنگ لیش الٹ کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی آگیا۔

آئے ہی اس نے ایک ہاتھ سے حمید کی گردن دبوچی اور دوسرے ہاتھ سے بکرے کا پٹ پکڑے ہوئے دونوں کو کمرے سے باہر دھکیل دیا پھر ہاتھ جھڑتا ہوا جنگ لیش کی طرف واپس آیا۔

”تم غالباً تیسری لاش کی کہانی سنانے آئے ہو؟ فریدی نے کہا۔
”جی ہاں؟“

”اور وہ میرا جی شاید نو پھر ہی کے ساتھیوں میں سے تھا۔“

”جی ہاں! یہ جی دوست ہے۔“
”اور شاید نیلی ٹکری بھی۔“

”جھیک ہے! اور یہ تیسری لاش نو پھر کی کو مٹی کے سانے ہی مٹی ہے۔“

”خوب! بہت اچھا! فریدی سر ہلکے مزید کہے ہوئے گلہ ان کی طرف دیکھنے لگا۔

حمید وہاں کو کھینچ کر اس کے پاس آگیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ وہ بچہ چپ مٹھ کر بیٹھ گیا۔
”پڑھو! میں نے جی سے پچھو گا کہ تو فریدی جی سے۔“
جنگ لیش بولا۔

”ملا کر دیکھو موتی! میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔“
چاہے پتھان حمید نے کڑوا لگایا۔

”دیکھو وہ کوئی ہے جس کے حرازیوں؟“ فریدی نے کہا۔
”جی ہاں! یہی بات ہے۔“

”نو پھر سندھ اس کے پاس لایا دیا؟“
”ہیہ سر کے ایک مانگ۔“

”تو کوئی کچھ دیکھو؟“ فریدی نے اس کے پاس سے؟“ حمید پک کر بولا۔

”خوش رہو؟“ فریدی نے گھونسنے لگا۔
”جنگ لیش نے بولا: وہ اپنے پیچھے ہی سیانٹ پر قائم ہے۔“

”اچھا! فقط مارنے والوں سے اس کے کس قسم کے تعلقات تھے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”وہ دونوں ہی اس میں شریک تھے جو نو پھر کی قیادت میں کوہِ پانی کے لیے جو بی امر کر گئے تھے۔“

”اور یہ میرا؟“
”یہ میرا بھی غالباً اسی قسم کے لوگوں میں سے تھا۔“

”تم نہیں یقین ہے؟“
”یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ نو پھر نے اس کے متعلق اتنا ہی بتایا ہے کہ وہ گھاس کے شا سا فل میں سے تھا۔“

”نو پھر کے پڑوسیوں سے کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی؟“ فریدی نے پوچھا۔

”خاص بات تو کوئی نہیں مگر... ہاں پھر یہ ایک بہت سے مکن ہے کہ وہ کام ہی کی جو پڑوسیوں نے بتایا تو کئی دن سے نو پھر کی کو مٹی کے ہاتھ پکڑے ہوئے پھر اس نے اسی حال میں ایک پتھان کو کیا رکھا ہے۔“

”کیا وہ کلرات موجود تھا؟“
”جی نہیں تھے تو میں نہ کہانی دیا۔“

”بات یہ ہے جنگ لیش صاحب! فریدی جھگڑانی لے کر بولا: کیس دلیپ فرود سے نہیں میں اس کا بہت متوکل ہوں۔“

”کیا میری رہائی بھی ممکن ہے؟“

”میں نے جی سے پچھو گا کہ تو فریدی جی سے۔“
”میرا کوہ؟“
فریدی چند کے کچھ سوچتا ہوا پھر اس نے کہنا لگا: ”جانتے ہو؟“

”جی ہاں؟“

”وہاں وہاں سے پوچھو کہ کرو کی کیا اس دوران میں انہوں نے کچھ غلطی آکارے ہیں؟“

جنگ لیش حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

”جھلا سونا گھاٹ... گرد و پاں کے ملاح جے بتاتے ہی کیوں لگے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں نا جان کر برکت کا مال آتا رہا ہے۔“

”کمزور ہی سے منیر پور شاہی لڑی بھی ملک میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جھلا ملاح ایک پولیس والے کو کس حیرت کا پتہ لگنے لگے مگر یہاں اس ملاح کا سونا گھاٹ سے کیا تعلق ہے؟“

”ملاح! فریدی نے آہستہ سے دہرایا اور پھر کسی گہری سوتا میں پڑ گیا۔“

کیپٹن نو پھر اپنی المیہ پر جھکا ہوا اس کا حروف کے استرجاع سے بند ہوئے والا قفل بند کر رہا تھا کہ دفعتاً اس نے اپنے جیکب کی کی تپش سنی۔ وہ چونک کر مڑا۔ دروازے میں سنگ ہی کھڑا تھا اور اس کے پتے پتے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔

”تم ہنر اجازت یہاں کیوں آئے؟“ کیپٹن نو پھر نے آہستہ سے پوچھا۔

”اوہ... کیا یہ پابندی سنگ جی کے لیے بھی ہے؟ اس نے طنز سے لہجہ میں پوچھا۔

”سب کے لیے۔“

”اوہ!“

لیکن اس کے باوجود بھی سنگ جی وہیں کھڑا رہا اور اس کی زنجیریں ڈوبی ہوئی تو زین آئیز مسکراہٹ بھی بدستور قائم رہی۔

نو پھر پھر المیہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ قہوڑی پیر بداس نے پھر مڑ کر دیکھا اور سنگ جی کو وہیں موجود پاکو بڑی حیرت جھلا گیا۔

45

کیا تم نے سنا نہیں؟ وہ چیخ کر بولا۔
 "ہاں! شاید آپ کی طبیعت کچھ غریب ہے۔ سنگ بھی
 نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا: کیا آپ کے لیے میں
 تھوڑی سی برائڈی لاؤں؟"

چلے جاؤ تو پھر اتنے زور سے چیخا کہ اس کی کمر باندھ گئی
 "میں چلا تو جاؤں لیکن چہرہ سچا نہیں کیگا اس میں
 کمر سے آپ کے گال پر بھی سفر شروع کر دیا تو کیا ہوگا؟"
 تو پھر نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر رک گیا۔ وہ تالا بند کر چکا
 تھا۔ چند لمحوں تک یہی گھوڑی تار با پھر تیرکی سے دروازے کی
 طرف بڑھا۔ سنگ بھی ایک طرف ہٹ گیا اور تو پھر سیدھا نکلا چلا
 گیا۔ سنگ بھی نے مضحکہ آمیز انداز میں اپنے شانوں کو جنبش
 دی اور وہ بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔

وہ دونوں آگے بڑھے اسٹڈی میں داخل ہوئے تو پھر
 ایک نمونے پر بیٹھ کر کسی تھکے ہوئے گدے کی طرح اپنے لگا لگائے
 وہ سنگ بھی کی طرف جس دیکھ رہا تھا۔

"ہوائے سنگ بھی زور سے چیخا: ایک گلاس ٹھنڈی پانی؟
 کیا ہے ہو گئی ہے؟" لیکن تو پھر نے چھللا ہٹ نہیں

فرش پر پیریا۔
 "نہیں کپٹین صاحب! سنگ بھی نے غناک انداز میں
 سر ہلا کر کہا: ٹھنڈی پانی ہے ہو گئی ہیں۔" ٹھنڈی پانی اس
 وقت بہت مفید ثابت ہو رہا تھا۔ جب عقل کھو پڑی کی حدود
 سے باہر نکلے لگے اور جس لحاظ سے وقت ایسا ہی عرصہ کر رہا تھا
 تو پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ نوکر پانی کا گلاس لے کر
 اسٹڈی میں داخل ہوا۔

سنگ بھی نے ٹوٹے سے گلاس اٹھا کر منہ پر تھیرے نظروں سے
 تو پھر کی طرف دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے گلاس اپنے ہونٹوں
 سے نکالا۔

تو پھر چیخ و تباہی مارتا۔ جب نوکر خالی گلاس لے کر
 چلا گیا تو اس نے سنگ بھی سے کہا۔

"دیکھو سنگ بھی! میں بہت بُرا آدمی ہوں۔"

آپ کا گلاس سے کام لے رہے ہیں۔ سنگ بھی نے
 سجدی سے کہا۔

"تم آخر چاہتے کیا ہو؟"
 "تفصیلی نوٹس لکھنے کے بعد وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ
 میں کوئی چیز لکھ کر تیار ہو دوں۔ چاہوں یا نہ کروں۔"

تو پھر نے کسی سے ہاتھ ہلا کر بولا: اب اس کے لیے میری گری باقی
 نہیں رہ گئی تھی۔

دفعہ ایک نوکر چہرہ اسٹڈی میں داخل ہوا۔ اس کے
 ہاتھوں میں ایک جھٹی سی ٹرسے تھی اور ٹرسے میں ایک ملاقاتی
 کارڈ تھا۔

تو پھر نے کارڈ اٹھا کر دیکھا اور پھر ایک اس کے چہرے
 پر زبردی چھا گئی۔ اس نے بھی جھٹی آنکھوں سے سنگ بھی کی
 طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا: کوئی فریدی؟

"آزادی کرل فریدی کہتے ہیں۔ سنگ بھی زہر طبعی ہنسی کے
 ساتھ بولا: پھر اس نے نوکر سے کہا: پہلے ایک لالچ دے دو۔

نوکر چلا گیا۔
 "ایک بار کب آپ کا سر شانوں پر رکھنے کے لیے
 کافی ہو گئی؟ سنگ بھی مسکرا کر بولا۔

"وہ انتہائی چالاک آدمی ہے۔" تو پھر نے جھڑپائی ہوئی
 آواز میں کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ سنگ بھی بولا۔
 نوکر دوسری لے کر واپس آ گیا۔ سنگ بھی نے تو پھر کی

طرف اشارہ کیا۔ نوکر نے چھوٹی میز اس کے صوفے کے قریب
 کھسکا کر ٹرسے رکھ دی۔ تو پھر نے گلاس اٹھا لیا۔ اس کا ہاتھ
 کانپ رہا تھا۔ اس نے مضطربانہ انداز میں ایک ہی سانس میں
 گلاس خالی کر دیا۔

"اب اسے آؤ۔ سنگ بھی نے نوکر سے کہا۔ نوکر کے
 جانے کے بعد سنگ بھی کیپٹن تو پھر کو ایسی نظروں سے دیکھنے
 لگا جیسے تو پھر ایک نامعلوم بڑے ہوا ور سنگ بھی اس کا ہر رنگ، جس
 نے ابھی ابھی اسے ہواؤں کے ساتھ مہذب اور مہذب رہنے

کی تاکید کی ہو۔

فریدی کے ساتھ عید بھی تھا۔ دونوں تو پھر کی اسٹڈی
 میں داخل ہوئے اور تو پھر نے بڑی خوش اخلاقی سے ان کا
 استقبال کیا۔ سنگ بھی کو تو پھر تھا۔

عید سنگ بھی کو ٹرسے سے دیکھنے لگا۔
 "فریدی! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" تو پھر

سے کہا۔
 "کچھ نہیں! بس یوں ہی تھوڑی سی تکلیف دہوں گا۔"

فریدی مسکرا کر بولا۔ "مجھے کچھ باتوں کی خبرست چاہیے۔ جو
 46

آپ کے بھروسہ میں امریکہ کے رہتے۔
 تو پھر کے چہرے کی رنگت بدل گئی لیکن سنگ بھی جلدی

سے بولا: ضرور... ضرور... مگر ان میں سے میں تو پھر ہی ہو سکتا
 "میں نہیں سمجھتا۔ فریدی بولا۔

"وہی تین لاشیں ہیں پریشانی کی سر پائی تھی۔"
 "ہاں۔"

"خبرست آپ کو ابھی چاہیے یا آپ کا نفس پہنچا دیا جائے؟"
 سنگ بھی نے کہا۔

"مجھے جلدی ہے۔ فریدی بولا۔
 "میں ابھی پیش کرتا ہوں۔ سنگ بھی نے کہا اور ایک

بیزک دروازے کے لیے کاغذ نکال کر اس پر پرنٹل سے
 گھسیٹنے لگا۔

لیکن آپ کو ایک بیزک جنوبی امریکہ کا خیال کیسے آیا؟ تو پھر
 نے فریدی سے پوچھا۔

"میں نے کچھ دیکھا تھا۔ فریدی نے بے پروائی سے جواب
 دیا اور سنگ بھی کھٹے کھٹے میز کو آگے گھومنے لگا پھر اپنے چہرے

پر ہنس کے آثار پیدا کر کے کہا۔
 "کیا وہ تھوڑی دیر میں؟ وہ تو میری نگاہ ہی میں نہیں آتی۔"

"نہ آتی ہوں گی، کیا خبرست تیار ہو گئی؟"
 تو پھر تھوڑی دیر کے لیے خوشک چہرہ پر پرنٹل پھیرنے لگا۔

سنگ بھی نے کاغذ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: یہی
 کے پتے میں نے نہیں لکھے ان کے پتے مجھے معلوم ہی نہیں۔

فریدی نے کاغذ سنگ بھی کے ہاتھ سے لے کر اس پر
 ایک آہستہ سی نظر ڈالی پھر کہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

"آپ نے ان لوگوں کی خبرست کیوں لی ہے؟" تو پھر
 نے پوچھا۔

"میں ان سے پوچھوں گا کہ یہ جنوبی امریکہ میں کون سا
 کارنامہ انجام دے کر گئے ہیں۔"

"وہ تو تو پھر ہی عرض کر سکتا ہے۔ سنگ بھی نے
 سینے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے۔

"لیکن حقیقت کی ہوا بھی نہ گئے دو گئے۔ فریدی طنز پر
 انداز میں سکا۔

"آپ کو متعلق کرنا بہت مشکل کام ہے۔ سنگ بھی یوں نہ
 انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "اچھا میں کچھ نہیں لکھتا۔"

"پلیس مجھے برابر پریشان کر دیں۔" تو پھر بڑبڑایا۔

"میری نگاہ میں نہیں آتا کہ میں کون سی بات سمجھا رہا ہوں۔"
 "نوکر کو سب شیک ہو جانے کا تو فریدی اٹھا ہوا تھا۔

وہ اور عید دروازے کی طرف بڑھے۔ ان کے پیچھے سنگ بھی
 اور تو پھر بھی تھے۔

"اب ایک فریدی دروازے پر رک کر ان کی طرف مڑا۔
 "تم نے صرف تین لاشیں کہہ دی ہیں۔ اس نے

سنگ بھی سے کہا: وہی تینوں چہرے ہیں۔"
 "جی ہاں! سنگ بھی مسکرا کر بولا: آپ ان کے موجودہ

پتے سے تو واقف ہی ہوں گے۔
 اس کے جواب میں فریدی نے کچھ بھی کہا وہ قطعی غیر متوقع

تھا۔ اس نے سنگ بھی کے منہ پر اس زور کا چاٹنا مارا کہ وہ
 دم توڑ دھڑکنے کے بعد فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

"کیا انہی سے ہے؟ تو پھر چیخ کر آگے بڑھا۔
 فریدی نے اتنی بے پروائی سے عید کے شانے پر ہاتھ رکھ

کر پتے کا اشارہ کیا جیسے اس کے کانوں تک تو پھر کی آواز پہنچ رہی
 نہ ہو۔

وہ دونوں چلے گئے۔ تو پھر اس طرح چنگھاڑا ہاتھ جیسے
 اب ایک باگل ہو گیا ہو۔

سنگ بھی جیب سے دھال نکال کر تھپڑ سے ہونے
 لگاں کو صاف کرتا ہوا تھا۔

بہشتی شمش اسٹڈی میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں۔
 فریدی تو پھر اسٹڈی میں ہے۔ مجھے کسز انتہائی ذلیل آدمیوں کے

ہاتھوں پٹنے کا بھی اتفاق ہوا ہے۔
 تو پھر اسے پھر آمیز نظروں سے گھومنے لگا۔

فریدی کی کئی لاکھ بھری پوری سرکوں سے گزری تھی۔
 "آخر اس کچھ سے کوہارنے سے کیا فائدہ ہوا؟ عید بولا۔

"اُسے تم کو کچھ خبر ہے؟ فریدی نے سامنے سے نظر پٹانے
 بغیر بولا: تم اسے نہیں جانتے۔ کیا اس شہر میں کوئی آدمی ہے

جو اس طرح میرے مضحکہ اڑانے کی کوشش کر سکے۔ اس کی یہ حرکت
 میرے لیے ایک گھلا ہوا چیلنج ہے اور تو پھر... تم جانتے ہی ہو

کہ میں تھپڑ کب مارتا ہوں۔"
 "اس کا نام کیا ہے۔ میں نے شاید اسے پہل پہل دیکھا ہے۔"

"سنگ بھی ایک جلاوطن دو غلامی ہے۔ اس کا نمبر کا
 سازشی اور مکار، موجودہ جینی حکومت کے خلاف اس نے ایک

47

سلاش کی تھی۔ لہذا نتیجے کے طور پر اسے جلا وطنی نصیب ہوئی۔
 تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہاں تو ان لوگوں کے دفتر دار
 بہت ہی لوگ ہیں۔
 ”ابھی تو آپ نہیں کہا کہ اس کا سنا نہیں دہ اس کے متعلق بہت
 کچھ جانتے ہیں۔“
 آپ نے جگہ نشین سے کچھ غور کیا اور کانڈرہ کیا تھا۔
 ”ہاں... یہ اس کی پہلی گہرے متعلق تھا۔“
 ”نیل کیگہ“ حمید نے بڑبڑایا۔ آخر یہ سہ کیا ملا؟
 ”جان لینے کا ایک ہزاروں سال پرانا طریقہ۔“
 ”ہزاروں سال پرانا طریقہ؟“ حمید نے حیرت سے کہا۔
 ”جیسے جنوبی امریکہ کے قدیم باشندے اب بھی استعمال
 کرتے ہیں۔ خصوصاً ”انکا“ نسل کے لوگ جو یہ طریقہ اس کے
 درمیان میں آباد ہیں۔ گو انہیں قبیلے کے لوگ بھی اس طریقے کے
 ماہر سمجھے جاتے ہیں۔“
 ”آج بھی شہادت؟“ حمید دونوں ہاتھوں سے سر پٹینا
 ہوا ہوا۔
 ”اس کیس میں ہوتو بہت تھریج کی امید ہے۔ غزیری
 نے سکا اگر کہا۔“
 ”مجھے ایک ماہ کی جھٹی دلواد کیجئے۔“
 ”کیوں؟“
 ”ضرورت ہے، اس ضرورت ہے۔“
 ”پھر جی؟“
 ”میں اپنے لیے سالیان تلاش کروں گا۔“
 ”بات کچھ جی نہیں۔“ غزیری ہونٹ سکڑ کر بولا۔
 ”میں اس وقت اتفاق سے فلسفہ بول گیا ہوں۔“
 ”میں کو اس فلسفہ کے موڈ میں نہیں ہوں۔“
 ”آپ کبھی اچھی باتوں کے موڈ میں نہیں ہوتے۔“
 غزیری نے بڑبڑایا۔ ”سنگ جی کو جاننا ماننے کے بعد سے
 اب تک اس کے مزاج کی بڑبڑا ہوت رنٹ نہیں ہوتی تھی حمید
 سوچ رہا تھا کہ معاملات کچھ سے ہوسکتے ہیں۔ غزیری مولی
 حالات میں کبھی آپ سے باہر نہیں ہوتا۔ اس نے غزیری سے
 کہا۔ تو آپ کا خیال ہے کہ یہ لوگ جنوبی امریکہ ہی سے اپنے
 ساتھ کچھ مکن بھی لائے ہیں۔“
 ”ہاں میں کچھ ایسا ہی سوچ رہا ہوں اور مجھے اس کیس
 سے گہری دلچسپی ہے۔ جس دن پہلی لاش ملی تھی اسی دن سے

میں نے دلچسپی شروع کر دی تھی مگر افسوس!۔“
 ”گہروں افسوس کس بات کا؟“
 ”تمہاری وجہ سے اکثر میرا مفصلان ہو جاتا ہے۔“ غزیری
 نے کہا۔
 ”آپ کو مضمون سے بہک رہے ہیں۔“
 ”مطلق نہیں! یہ بات اسی سلسلے کی ہے۔“
 ”تو میری وجہ سے کون سا نقصان ہو گیا؟“
 ”تم تصویروں کے لیے آئے دن مائیکرو سکوپی کی کتابیں لٹتے
 پڑھتے رہتے ہو۔“
 ”تو پھر؟“
 ”مجھے ایک کتاب کی تلاش ہے، جو نہیں مل رہی ہے۔“
 ”کیا ہم اس وقت کتابوں کی باتیں کر رہے تھے؟“ حمید
 جھلا کر بولا۔
 ”نہیں نیلی کیسر کے متعلق۔“ غزیری نے کہا۔
 ”تو کیا میں کہوں سے آپ کیس۔ آپ سو تو نہیں سمجھتے۔“
 ”میں حاکم رہا ہوں غزیر۔ اس کتاب سے مجھے اس کیس
 کے سلسلے میں کافی مواد ملتا۔“
 ”کیسی کتاب تھی؟“
 ”ہجرن زبان میں ایک جرمن مصنف کا سفر نامہ۔ اس
 نے اب سے باون سال پیشتر جنوبی امریکہ کا سفر کیا تھا اور کتاب
 پینتالیس سال قبل بولن میں چھپی تھی۔“
 ”حمید نے سارے انداز میں سر ہل کر کہا۔ اگر خیر افسیہ کی
 کتابوں سے کچھ مدد مل سکتی ہے تو اس کو شش کروں۔“
 ”شاید مجھے پوری دنیا کا خیر افسیہ پانی یاد ہے۔ غزیری نے
 ہلکی سی طنز پر مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
 ”ادہ تو اسی ہے آپ کو آج تک کسی شے میں نہیں ہوا۔“
 ”کیوں اس صمت کر دو۔“
 ”صحیح عرض کر رہا ہوں سر۔ آپ مجھ کا خط استوا
 سے فاصلہ دریافت کرنے کے پیر میں پڑ جاتے ہیں۔“
 ”حمید!۔“
 ”جناب والا۔“
 ”کیا تم میں بھی حمید کی نہ پیدا ہوگی؟“
 ”کیوں نہیں۔ جس دن جی کسی ریلواری گولی نے میری
 کھوپڑی میں سوراخ کر دیا میں جیسا کہ مجھے ہو جاناں گا
 لیکن اس سے قبل یہ تو خیر شش مزدور ہے کہ میں اپنی بنیدگی

پر شش شش کرنے کے لیے دو چار تھم ادا کیا۔ اور یہ جیسا کہ
 فریدی کچھ نہ بولا اس کی نظر سے وڈا اس کیس کے پار
 سرک پر جی ہوئی تھی اور اس کے ہونٹوں میں جیب کی دھڑکی تھی۔
 ”حمید کچھ دیر چپ رہا پھر اس نے پوچھا۔“
 ”آج آپ اس کتاب میں کیا دیکھتا چاہتے ہیں؟“
 ”ایک دلچسپ کہانی۔“
 ”کہانی؟“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”کس کی کہانی؟“
 ”ایک تھکی تھکی شہر کی کہانی۔“
 ”حمید اس طرح بول کر فریدی کو گھورتے لگا جیسے کچھ
 اس کا دماغ آٹ گیا ہو۔“
 ”سنگ جی! اگر کچھ کیس کا وہ میں ایک ماہ پر عورت
 کے ساتھ قرض کر رہا تھا۔ حمید نے اسے دیکھا اور حیرت سے دیکھا
 بظاہر اولیٰ جلول سا نظر آئے والا سنگ جی کتنا اچھا ناچ رہا
 تھا۔ اس کا ہر قدم چٹکا ہوتا تھا۔“
 ”غزیری درجنگ سنگ جی کی گزائی کرنے کے بعد حمید پر
 یہ حقیقت واضح ہوئی کہ اس میں دلچسپی لینے والا وہی کیلا نہیں
 ہے۔ اس نے ایک غمگین کیس سنگ جی میں دیکھی تھی جو سنگ جی
 یہ ایک عجیبی رنگت اور اس آنکھوں والا متوسط سائز
 کا آدمی تھا۔ اس کے جسم پر سیاہ پتلون اور سیاہ ڈیزائن تھی۔
 وہ خود قرض نہیں کر رہا تھا۔
 ”حمید کے ذہن میں ان غیر ملکیوں کا خیال اس طرح کا نہ کرہ
 فریدی نے کیا تھا۔“
 ”حمید کی یہ قرض ایک سلفی سی سولی ہوئی تھی۔ اس نے
 حمید کو خاموش دیکھ کر پوچھا۔
 ”تم کیا سوچتے تھے۔“
 ”اُس نے حمید کو گھبراہٹ کچھ نہیں۔... لادو اصل میں یہ
 سچہ دھانڈا تھا۔ آپ کو تو لین کے اٹھنا ہی کوں۔“
 ”میری تعریف! تو کی مسکرای۔“
 ”ہاں! ایسے رنگ کے بلبل بھی ہیں ہوتے۔ وہ ملتی ہوئی ہوتی
 می دتا سولہوی کہوں۔“
 ”وہ نے کھنکھہاتہ ہنسنے لگیا۔ ”تو نے تو جی بند ہو
 تھی اور لوگ بھی اپنی بزدلیوں کو ماننے لگے۔ حمید نے موس
 کی طرح کچھ چھوٹے ہنسنے لگے۔ وہ اس کے ساتھ اس کی میز
 پر آگئی۔“

حمید نے سنگ جی کو بار کی طرف بلاتے دیکھا اس نے
 لاؤنڈری روم کی طرف اشارہ کیا اور کھڑا ہو کر چکیاں لینے لگا۔
 ”مفسر وہ اس غمگین کیس کو جو دگی سے ناواقف نظر کر رہا تھا اس سے
 غزیری کی مدد کرنا کر سٹ کے کچھ کچھ کش لے رہا تھا۔
 ”حمید کا اضطراب بڑھ گیا۔ وہ اس موقع کو ہاتھ سے نہیں
 ماننے دینا چاہتا تھا۔“
 ”یہ تو بہت برا تھا۔ اس نے اپنی ہاتھوں کی طرف دیکھ
 کر سر جھٹکے ہوئے کہا۔
 ”کیا بات ہے؟“
 ”مجھے اندیشہ ہے۔“
 ”کیا وہی گئے ہونگے؟“
 ”ادہ شک ہے۔ لیکن اس پر غور۔۔۔ اب کیا ہوگا؟“
 ”تو پریشانی کی کیا بات ہے؟“
 ”اب میں کل صبح حالات میں غزیری کا جو یہ خبر دتا ہوا۔
 ”کیوں؟“ غزیری نے حیرت سے کہا۔
 ”مجھے خود پریشان نہیں رہتا۔“ حمید نے انسی آواز میں بولا۔
 ”اگر تو ان کی طرف سے کچھ اور کچھ صحت کی طرف سے کچھ لگتا ہوں۔“
 ”جیسا کہ سرک پر نہیں ہے۔“ غزیری نے اپنا ہاتھ اس سے ہٹا کر
 عورت کے بال کو لپیٹ لیا۔ ”اس کے سینہ کیلنا تاکہ اس پر پٹینے
 لگا تھا۔ ذرا دیکھو تو ہڈی سے سینہ کیل کیسے ہیں؟“
 ”حمید اس کے بول کی طرف جھکا اور وہ بول کر لگی ہی بہت
 دیکھ کھٹک گئی۔
 ”ایک سینہ کیل۔“ حمید نے صاف کہہ کر لگایا۔ ”یاد نہ لانی کے لیے۔“
 ”مذاق نہ کیجئے۔“ غزیری نے ہنسی بولی۔ ”ظہر ہے۔ میں ابھی
 آئی ہوں۔“
 ”میں نے میری ماں کی گات۔“ حمید نے ہانک لگائی۔
 ”کیا ان کی ہڈی سے سناڑا انداز میں دھل سے کھٹک گئی۔“
 ”حمید نے المیہ سے پانپ لگایا اور کڑی کی پشت سے ٹیک
 لگا کر بیٹھ گیا۔
 ”سنگ جی! لاؤنڈری پر کھڑا بڑی چکیاں لے رہا تھا۔ جیسا
 کھڑا کھڑا نظر آنے لگا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے
 اُسے اپنے گود میں کی غزیری نہ ہو۔
 ”اس کی گھٹائی کرنے والا میری گھٹائی تک اس پر غما
 انداز میں کھڑا تھا۔
 ”حمید نے بیڑ خیم کو کچھ بڑھائی پڑا تھا۔ جیسا اور

کلاس کا دوست روکر کہ جب سے پرس نکالا ہر چند ہی منٹ بعد حیدر نے اسے دھن کا وہ سے باہر جاتے دیکھا۔ غریب! اپنی بھری ہاتھ لگا لیا۔

حیدر دروازے کی طرف پھلا۔ وہ دونوں کافی فاصلے پر آگے پیچھے چل رہے تھے۔ کیا اونڈے سے باہر کو سگ ہی ایک ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ جب اس کی ٹیکسی کچھ دور نکل گئی تو وہ غریب کی بھی چھپٹ کر ایک ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

ماہ کو فریدی کی کڑی لاک پر نکل کے غریب میں موجود تھی۔ لیکن حیدر نے بھی ٹیکسی ہی مناسب سمجھی۔ تینوں ٹیکسیاں حضور سے حضور سے غلط پریشی لگ رہی تھیں۔ جی جگے سے اس لیے ٹرکوں پر نریکے کھڑے ہو کر چلے آئے۔ حیدر کو تھک جاتی رہی۔ کوئی خوشامی نہیں مانی۔ تقریباً آدھ گھنٹے بعد سگ ہی کی ٹیکسی میں بارش سے اس کی ٹیکسی اور سگ ہی کی ٹیکسی ایک سڑک کی گلی میں ٹھہر کر آئے۔ غریب کی ٹیکسی بھی اچانک دنگ گئی اور وہ بھی ٹرک کی گلی کی طرف چھٹا لگی۔ بہت اندر آئے۔ حیدر نے سگ ہی کی ٹیکسی سے ٹارگ نکال لے لی۔ لیکن حیدر سے مناسب نہ سمجھ کر لیلہ کی ٹیکسی سے

میں چلتا رہا۔ دفت میں اس نے ایک ٹیکسی کی کڑی لاک سے دھن کی منٹ سے کے گونے کی آواز آئی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کوئی غصہ کر کے گڑا گڑا ہو کر چلا آئے۔ حیدر نے اسے دیکھا۔ وہاں اتنی قرب کے عالم میں دھن پریشی کر رہا تھا۔ حیدر نے اسے آگے کی طرف چھٹا۔ اس نے نارنجی روشن کرتی تھی اور دوڑنے لگا تھا۔ پھر اچانک اسے ٹرک جانا پڑا۔

سگ ہی کا آداب کوئے والا غریب کی زمین پر چبٹ لگا تھا۔ اور اس کے سینے میں ٹھیک دل کے مقام پر ایک بہت بڑا خنجر بوس تھا۔

حیدر ایک لمبے کے لیے لاش پر جھکا پھر سیدھا اٹھ کر اچھو کر بے تحاشا آگے کی طرف دوڑنے لگا۔ شاید وہ سگ ہی کو پھلانا چاہتا تھا۔ اس کے قدموں کی آوازیں دھن تک اندر سے ہی دھن کی پٹی گئیں۔

سگ ہی فریب کی پٹی گلی سے نکل کر لاش کی طرف لپکا اس کے ہاتھ میں ایک چوٹی سی شامی تھی اور سگ ہی نے اپنی جینس شروٹس میں پیچھے اس نے پیچھے سے اپنا ہاتھ لگ کر لگا ہوا۔ اس نے ایک قوی گڑا دھن اٹھا اور لاش کو کھینچا۔

کے قریب لایا۔ پوری کارروائی میں شکل سے ایک منٹ لگا ہوا۔ اس نے گڑا دھن کی بند کرتے ہوئے ایک طویل سانس لی۔ وہ پھر اسی مقام پر لوٹ گیا۔ وہاں سے اس نے لاش کی ٹیکسی میں پہلے تقریباً آدھ گھنٹے کے گھیرے میں خون پھیلا ہوا تھا۔ سگ ہی نے اپنی پٹولی کی جیب سے ایک پٹی شامی نکالی۔ اس میں ایک سیدھے رنگ کا تھا۔ اس نے اسے خون پر لٹا دیا۔ خون پر غریب نے گھسے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کھولے لگا ہوا۔ سفید رنگ کی پٹی لگی جگہ پر غریب سے ایک فٹ کا پٹی پر آٹھ گڑا ہوا۔ تحلیل ہوتی جا رہی تھی۔ سگ ہی دیکھتے نہ رہے اس طرح عافیت اور رنگ جو گلی پر چبے دھن کی کچھ دھن پر چبے۔ سگ ہی نے خالی پٹی جیب میں ڈالی اور پھر سے اٹھ گیا۔ اس نے ٹرک پر چل گیا۔

پھر حضور نے دیر بعد وہ ایک گھنٹہ قسم کے قریب غریب میں دیکھا گیا جہاں وہ دیر ہی تائیک کو اس انداز میں پھیر رہا تھا جیسے وہ اسی کا پڑا ہوا سارہا ہو۔

دھن کو روک دینے حیدر ہلکا پھلکا فریدی کو اپنی کہانی سناتا تھا۔ "اور پھر جب وہ لڑکھو اس طرف سے آگے تھوڑے فاصلے پر آئے۔ فریدی نے اسے ٹھہرے لگا۔

دھن غصے سے لاش میں دھن۔ آخر وہ خون کیا ہو گیا ہوا۔ لاش کے گرد پھیلا ہوا تھا۔ پھر تو اس نے یہ سب کچھ دیکھا۔ اس کی غلطی میں نکل آیا ہوں۔

"ہو سکتا ہے کہ تم سے غلطی ہی ہوئی ہو۔ فریدی نے کہا۔ "اما میں" حیدر بولا۔ میں ٹھیک اسی جگہ پر تھا جہاں میں نے لاش دیکھی تھی۔

"مجھے حیرت نہیں ہے۔" دیکھو! "حیدر کے لیے میں حیرت تھی۔ میں نہیں پہچان رہا تھا۔ اس نے سگ ہی کی پٹی شامی کو دیکھا۔

تم کا ہم نہیں ہے۔ اس نے جین کی حکومت سے ٹکرانے کی کوشش کی تھی۔ تم خود سوچو کہ ایسا آدمی کی صلاحیتیں کتنی کم ہوں گی۔

"آواز کی گئی تھی؟" تم اتنے قریب ہی نہیں رہتے؟ "فریدی نے اسے ٹھہر کر لیا۔ "کیا مطلب؟" "گھر... کیا گھر سے یہ زیادہ مندر لگتی ہے؟"

گھر آخر غرضات کہاں گئے۔ کچھ زمینی کانوں کو دھویا نہیں جاسکتا۔" بہتری صورت میں ہیں۔ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا پھر اس نے کہا۔ چلو میں دیکھتا ہوں۔

حضور نے دیر بعد فریدی کی کڑی لاک بڑی تیز رفتاری سے اس پر اس کی طرف جاری تھی۔ ایک جگہ پہنچ کر حیدر نے کڑی لاک کو اپنی اور پھر فریدی کو حضور ہی دیر بعد یہ تسلیم کر لینا پڑا کہ سگ ہی نے کسی قسم کا کوئی نشان نہیں چھوڑا۔ گڑے دھن کو بھی شاید اس نے دھال سے مٹا کر دیا تھا۔

لوہر ہاگلوں کی طرح کمرے میں ٹپل رہا تھا اور ایک طرف دھن پھان سنتری کھڑا تھا۔ اس نے ایک دن قبل سگ ہی کے کچھ پر ملازمت سے بظن کر دیا تھا۔

"میں جانتا ہوں! پھان بڑے وفادار ہوتے ہیں۔" لوہر نے دھن سے رک کر کہا۔ "بے شک" پھان نے بے ہمتی سے کہا کہ بولا "ہم مالک کے لیے جان دیتے ہیں۔"

"میں پھر نہیں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔" دھن تیار رہے مگر ہم اس جینی دلدل کو ہم کا گردن بے شک توڑ دے گا۔

"تو میں رات پر میرے ساتھ میرے کمرے میں رہتا ہوں۔" دھن نے کہا۔ "پھان نے سالیہ انداز میں کہا۔

"صاحب آپ پولیس میں خبر کیوں نہیں دیتا؟" دھن نے دے سکتا۔ ایسی ہی بات ہے۔ "دھن نے کہا۔ آپ۔ ہم ایک ایک دھن کا بولی قید کر کے گا۔

مگر آپ جین بتائیے دھن کو کھڑے؟" "میں نہیں جانتا۔" "پھر ہم کیا کرے گا؟"

"میری حفاظت! میری موت کی وقت بھی آسکتی ہے۔" "اچھا صاحب! ہم دیکھنے کا گھر آپ اس دلدل کو ہم کے معاملے میں نہیں بولے گا۔"

"میں نہیں بولوں گا۔ مجھے منظور ہے۔" "تب ٹھیک ہے۔"

لوہر پھر بیٹھے لگا۔ حضور نے دیر بعد اس سے کہا "اب تم جاؤ ٹھیک سات بجے شام کو آجانا۔ دھن کو کچھ کوئی خطرہ نہیں۔ میں اپنی حفاظت خود ہی کر سکتا ہوں۔"

لوہر کی جہاں سال لڑکی سارہ برائے میں آرام کو سی پر ہم دونوں پھر پوسٹ کے صفات اٹھ رہی تھی۔ سارہ کافی قبل صورت اور شوخ لڑکی تھی۔ لوہر کے بہت زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اچانک پھر پوسٹ کے پرے سے کارو سارہ کی ایک تصویر نکال کر فرش پر گر پڑی۔ سارہ اسے اٹھانے کے لیے کھنکی اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے کھلیں۔ "سارہ! ایسی گندی تصویر! تم کی گھر کو ہر کسی کے ہاتھ میں دیکھو لیتا تو اس کی شامت بڑی آجانی۔ شاید وہ اسے بے دریغ لے جاتا۔"

لوہر نے سارہ کے لیے نفسی سگ ہی کی طرف سے۔ "سارہ کا پھر دھن اور شرم سے ہٹا آئے۔ اس کی سانس پھولنے لگی۔ سگ ہی سے اسے بڑی نفرت تھی اور وہ کئی بار لوہر سے کہہ چکی تھی کہ وہ اسے نکال دے۔ اس نے یہ بات بھی سوس کی تھی کہ لوہر سگ ہی سے کچھ خائف سا رہتا ہے۔ لیکن اس کی دلچسپی اس کی کچھ نہیں آسکتی تھی۔ اس نے کئی بار لوہر سے بھی اس کے متعلق پوچھا لیکن کوئی بھی نہیں جواب نہ ملا اور اب دھن جب سے پولیس والوں نے اس کے گھر کے کچھ کاٹنے شروع کیے تھے اس کی تشویش اور زیادہ بڑھ گئی تھی اور ان تین کوہ بٹاؤں کی ہمارا سر موش جو اس کے باپ کے ساتھ جنوبی امریکہ گئے تھے۔ ان میں سے ایک تو اس کو بھی کے سامنے ہی مرا تھا۔

وہ یہ بھی محسوس کر رہی تھی کہ لوہر کے کچھ دھن کے لیے کو بھی سے ہٹانا چاہتا ہے۔

سگ ہی اس کے لیے ایک مقرر تھا۔ وہ اس کے باپ کا ملازم تھا۔ کئی کئی سال سے وہ اس کی بہن تک کر بیٹھا تھا۔ اس پر لوہر کی خاموشی کو وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھ سکتی تھی کہ وہ سگ ہی سے دیتا ہے۔ سارہ کیوں؟ بار بار یہ سوال اس کے ذہن میں گھمکے لگتا تھا۔

سارہ برائے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی۔ تصویر اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی۔ وہ جیتے جیہ سوچ رہی تھی پھر اس نے کھنکے کی تیز پوچھ کر انتہائی غصے کے عالم میں اپنے

باب کو ایک خط لکھا۔ خط لکھنے کے بعد نظر ثانی کی اور اسے
 پھاڑ دیا۔ کچھ دیر سر پر کسے بیٹھی رہی پھر دوسرا خط لکھا
 اور پھر صحت آتنا لکھا۔
 ”ذی زیدی! کیا آپ اسے بھی برداشت کر لیں گے؟“
 اس نے کاغذ کو تکرار کر کے تصویر کے ساتھ ایک لفافے
 میں بند کر دیا اور نوکر کو بلانے کے لیے گھنٹی بجائی۔
 ”دور دور سے کوکر گاڑی نکلتے ہیں۔ اس نے نوکر سے کہا۔
 جب نوکر واپس آیا تو اس نے لفافہ اس کے ہاتھ میں
 دے کر کہا: اسے ذی زیدی کو دے گا۔“
 پھر نوکر لفافہ لے گیا اور دھروہ باہر نکل گیا۔
 ”تو یہ کھڑی تھی۔“
 ”میں خود دروازہ کھول کر دی۔ تم جاؤ۔“ سارہ نے دروازہ
 سے کہا اور کار میں بیٹھ گئی۔

لوہتر آدم کرسی پر بٹا اور گھر کے باغ میں لوکر کی آہٹ پر چونک پڑا۔
 ”میں صاحب نے دیا ہے۔“ نوکر نے لفافہ اس کی
 طرف بڑھا دیا اور کرسی کے قریب جا کر لفافے کے قریب جا کر لگا لگا۔
 لوہتر نے لفافہ کھولا۔ سب سے پہلے اس کی نظر تصویر
 پر پڑی اور وہ اس طرح اچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے کرسی کی سیٹ
 میں آگ لگ گئی ہو۔ تصویر اس کے ہاتھ سے نکل کر گھر کے
 بڑی۔ وہ اسے چھٹی چھٹی آنکھوں سے گھور رہا تھا پھر اس
 کی نظر ساتھ والے کاغذ پر پڑی۔ اس نے جھک کر اسے اٹھا لیا۔
 تصویر ہی دیر بعد وہ بالکل کی طرف بچھ رہا تھا۔ سو
 ... کہنے... کہنے... ذیل...
 اس نے زیدی کے دروازہ کھول کر دیو اور نکالا اور بے تحاشا
 سجاٹا ہوا کمرے سے نکل گیا۔
 پھر وہ ایک ایک کمرے میں سنگھڑی کو تلاش کرتا پھر
 رہا تھا۔ نوکر اسے اس حال میں دیکھ کر ہنسنے لگی کی بہت
 نہیں پڑی کہ اس نے کچھ نہ سمجھا۔
 آخر کار اس نے سنگھڑی کو پایا ہی لیا۔ وہ ایک کمرے میں
 بیٹھا بیٹھ رہا تھا۔ لوہتر نے اسے دیکھ کر ہی غصہ کر دیا۔
 سنگھڑی ہندوؤں کی طرح اچھل کر میز پر چڑھ گیا۔ لوہتر نے
 ”دوسرا خانا کیا لیکن اس بار پھر وہ چونک گیا۔ سنگھڑی نے
 میز سے چھلانگ لگائی اور اس بار وہ تھری طرح لوہتر پر آیا۔
 غصے نے پہلے ہی لوہتر کی قوت سلب کر لی تھی۔ دیو اور اس

کے ہاتھ سے نکل گیا۔
 ”کیا پاگل ہو گئے ہو؟“ سنگھڑی غصا ہوا۔ اس نے دیو اور
 لڑی جیب میں ڈال لیا تھا پھر اس نے باہر کھڑے ہوئے نوکر کو
 کوئی نشانہ جاؤ، دینا کام کرو۔
 نوکر چلے گئے۔ سنگھڑی نے لوہتر کو ایک آدم کرسی میں
 دھکیلے ہوئے کہا: اگر میں رہا تو...“
 ”سور کے پتے میں تھے ہر حال میں مار ڈالو گا، لوہتر چلا۔
 ”آخر اس غصے کی وجہ؟“
 ”وجہ جو چھوٹا ہے، خیریت اسی میں ہے کہ جلد سے جلد
 کوٹھی خالی کر دے۔“
 ”لیکن میرے کوٹھی خالی کرتے ہی تمہارا جسم روح سے
 خالی ہو جائے گا۔“
 ”میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔“
 ”تو میرے ہو جاؤ۔“ سنگھڑی نے بے پروائی سے کہا
 اور بڑی کیوسٹا کھڑکی کے پوٹوں سے لگائی۔
 ”اسے تیری اتنی جرأت ہو گئی کہ سارے کوالیسی تصویر بھیجے۔“
 ”ادہ تو یہ کہو! سنگھڑی سنجیدگی سے بولا۔ مگر سنو
 لوہتر تم مجھے بڑے گھٹیا آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اتنی سی بات
 پر گولیوں سے تھوکتے تھے۔“
 ”ارے او! ذیل گئے! یہ دنیا سی بات ہے۔“ لوہتر خلق
 کے بل بیٹھا۔
 ”میں تو یہی سمجھتا ہوں۔“ سنگھڑی نے کہا: ”سارے کافی
 سمجھا رہے۔“ سختی سے بولی تو نہیں کہ اس تصویر کو نہ کچھ سکے۔
 ”ایسے کیا تو پاگل ہو گیا ہے۔“ لوہتر آہستہ آہستہ بولا۔
 ”دیکھو کہ ہر بڑے آدمی کو لوگ پاگل سمجھتے ہیں۔ مگر میری
 کوئی بیٹی ہوتی تو میں اسے بھی اس قسم کی تسلیم دیتا۔“
 ”خدا تجھے خدات کرے ذیل۔“
 ”تم مجھے سنگھڑی سے غلط معلوم ہوتے ہو۔ سو لوہتر میں تو
 سمجھتا تھا کہ دنیا کے سارے دو غلط آدمی میری طرح لوہتر خیال
 ہوں گے۔ مگر میں تم لوہتر دو غلط آدمی میری طرح حجازی نہیں۔“
 ”تجھے سمجھنا چاہیے کہ اس کے لیے اب میں دوسری صورت
 اختیار کروں گا۔ خواہ مجھے جیسا ہی کیوں نہ ہو جائے۔“
 ”تو اب تم اتنی ہی بات پر دلچسپی سے سہارا دو گے۔“
 ”سنگھڑی تم جیسا ہی تمہاری کے ساتھ بولا۔
 ”میں سب کچھ بتا دوں گا۔“

”یعنی اپنے ہاتھ سے اپنے گلے میں پھنسا ڈالو گے۔ وہ بھی
 اس لیے کہ میں نے تمہاری لڑکی کو تھوڑا سا مارنا چاہا تھا لیکن کیا
 تم مجھے پھر کدو اس صورت میں محفوظ رکھو گے۔ کیا تم
 سنگھڑی کی قوتوں سے واقف نہیں ہو۔ ابھی تک تو یہ شخص
 مذاق تھا۔ سو لوہتر لیکن جانتے ہو اس صورت میں کیا ہو گا؟
 اس سال تو ابھی تک وہی بڑا ہے جو سنگھڑی نے چاہا ہے۔“
 ”آج تجھے کوٹھی خالی ہی کرنی ہوگی۔“
 ”سنو! تجھے نہ ہو۔ ایک گلاس ٹھنڈا پانی پیر اور یہ سورج
 کو خدا کا شکر ادا کرو کہ سنگھڑی نے تمہیں اس وقت زندہ چھوڑ دیا۔“
 ”میں اسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہوں۔“
 ”کوئی ساڑھیں نہ کرو گے، خوشی زیادہ تکلیف دہ نہیں
 ہوتی۔“ سنگھڑی مسکرا کر بولا۔
 ”لوہتر کا غصہ اتنا بڑھا کہ اس پر شادی ہو گئی۔
 سنگھڑی نے اس کے سر پر شراب کے چھینٹے دیے
 اور بادلوں کی طرح دھڑکنے لگا۔

53

سارہ بنجہ حمید کی چوبیس سالہ بیٹی تھی۔ لوگ پہلی کے دانے
 گزرتے ہی تھی اور بیکار میز پر چائے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک
 حمید نے کتاب سے غلط سر ہٹا کر اسے دیکھ کر ایک لٹ بھجوا
 ہوا بولا۔
 ”اے اسے میز پر لٹ کہتے ہیں۔“
 ”مگر سے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ دو چار تھوڑے پیکر بچاؤ
 اور پھر اپنے شغل میں لگ گیا۔
 ”نہیں سستا۔“ حمید جھٹکا اٹھا اور اس کی پچھلی ناگیں
 پکڑ کر کھینچا ہوا ہار دھکیل آیا پھر اسے اپنے کمرے میں واپس
 آنے دیا۔ لیکن کدو سے ہوں گے ایک ایک نوکر نے اگر ناک کے
 بل لا پنا شروع کر دیا۔
 ”بڑے صاحب یاد فرما رہے ہیں۔“
 ”اُن سے جا کر کہو میری خوشی ہوئی۔ روزانہ اسی وقت یاد
 فرمایا کروں۔“
 ”نوکر کچھ چاہ کر رہا۔“
 ”اے صاحب! حمید اسے نکال دیکھا کر بولا۔
 ”کیا تمہارے؟“
 ”میں خوش ہے کہ ہے۔ نکلو یہاں سے۔“
 ”اس نے نوکر کے جانے کے بعد پھر ناگیں پھیل کر کتاب

پر طعن شروع کر دی۔ یہ کوئی روحانی نابل تھا حالانکہ اسے اردو
 کے روحانی ناول پڑھ کر ہمیشہ کو فتنے ہوئی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ بڑے
 نہیں آتا تھا۔
 ”تھوڑی دیر بعد دروازہ داری میں قدموں کی آہٹ سنائی
 دی اور فریدی جھٹکا باہر کمرے میں داخل ہوا۔ حمید نے سنا ناول
 پر نظر سے چلے رہا۔ فریدی نے کمرے کے پائے میں بٹھ کر داری
 اور حمید پر چڑھ کر اچھل پڑا پھر فریدی کی طرف دیکھ کر کھسکیا۔ ہنسی
 ہنستا ہوا بولا۔
 ”لا حول ولا قوۃ آپ ہیں! میں سمجھا شاید بڑا ہے۔“
 ”میں نے نہیں بلوایا تھا۔“
 ”ادہ! لیکن مجھے اطلاع نہیں ملی۔“
 ”مگر اس نے کدو اچھے یہ حرکتیں پسند نہیں۔“
 ”قسم ہے لیجئے کسی نے اطلاع نہیں دی۔“
 ”غیر انہیں آیا تھا۔“
 ”آیا تو تھا۔“ حمید نے مصمومیت سے کہا۔ لیکن اس نے
 یہ ہرگز نہیں کہا کہ آپ مجھے بلارہے ہیں۔ اس نے یہ کہا تھا کہ
 آپ مجھے بلو کر رہے ہیں۔ اس پر میں نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔
 اسے کوئی ایسا بھی تو ہے جو میں یاد کرتا ہے۔“
 ”میں جانتا ہوں کہ فریدی جھٹکا گیا۔“
 ”آپ کا حیرانہ اثر کہ میری کچھ میں نہ آ سکا۔“ حمید نے
 غم زدہ آواز میں کہا۔ ”کبھی یاد کرو گے اور کبھی مارنے کی دھمکی
 دے گے۔ ایسی تو سڑکی کی محبوبہ نہ رہی ہوگی۔“
 ”فریدی نے اس کا کان بڑھ کر کرسی سے اٹھا دیا۔
 ”حمید ایک بیٹی کی چٹاؤں کے ساتھ اٹھنا چاہا گیا۔
 ”میں نہیں جانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ اس نے
 جھٹکا کر کہا۔
 ”کیا اسٹیڈی ملک بھی نہیں چلو گے۔ جہاں دو لڑکیاں
 تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔“
 ”آپ نے خواب دیکھا ہوگا۔“ حمید نے ہراساں بنا کر کہا۔
 ”آج کل کو ہم ایسا خواب ہے کہ کوئی لڑکی میری پردہ نہیں کرتی۔“
 ”نکر نہ کرو! میں تمہارے لیے انتظام کر لیا ہے۔“
 ”کیا مطلب؟“
 ”تم لوہتر کی کوٹھی میں اس کی لڑکی کے دوست کی حیثیت
 سے قیام کرو گے۔“
 ”جھٹکا اس کی لڑکی مجھے اپنا دوست کیوں تسلیم کرنے لگی؟“

”کونسی گئی میں یہی کہی کہ درخواست پر گھر رہا ہوں؟“
 ”مشاید آپ مذاق کر رہے ہیں؟“
 ”نہیں میں تنگ نہ کہہ رہا ہوں۔ سنگ جی سے وہاں اس کا
 باپ وہاں بہت زیادہ خائف ہیں۔“
 ”سنگ جی سے خائف ہیں؟“ حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔
 ”ہاں وہ بظاہر تو لوہتر کا نوکر ہے لیکن اصلیت خراب ہے،
 میرا خیال ہے کہ وہ کوئی برا کھیل کر رہا ہے۔“
 ”لیکن وہ جنوبی امریکہ کے پراسرار باشندے۔“
 ”وہ بھی اپنی جگہ پر ان کی حقیقت ہیں۔“
 ”آخر آپ تنگ سے کیوں نہیں جانتے؟“
 ”میں مجھے بوجھے بغیر کوئی بات نہیں کرتا۔ فی الحال میں
 صرف سنگ جی اور لوہتر کے تعلقات کے متعلق جھانک رہا
 ہوں۔“
 ”اوہ وہ تیلی گراف؟“ آپ نے کہا تھا کہ وہ جنوبی امریکہ کی ایک
 قدیم قوم سے تعلق رکھتی ہے۔“
 ”قدیم نسل سے۔“ فریدی نے تصدیق کی۔ ”طریقہ کار سے
 شاید تم واقف ہیں۔ چڑھنے کی ایک پتلی سی زنجیر میں ڈوبی
 جاتی ہے۔ سارے والا اپنے شکار کے ہمراہ اس زور سے اسے
 ملتا ہے کہ اس کی کھال پھٹ جاتی ہے اور اندر جرم سرایت
 کر جاتا ہے۔ یہ نیلی گراف اصل میں چڑھنے کی پتلی کی چوڑی
 کا نشان ہوتا ہے۔“
 ”میرے خدایا! حمید نے کہا: آپ طریقہ کار سے واقف
 ہیں۔ اس کے باوجود بھی لوگ ابھی تک اندھیرے میں ہیں۔“
 ”تنگ ہے! میں ابھی اس بات کو مستحکم نہیں کرنا چاہتا۔
 لوگوں کو اندھیرے ہی میں رہنے دو۔“
 ”کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔
 ”ان تین مردوں کے علاوہ اور لوگ بھی تو لوہتر کے
 ساتھ جنوبی امریکہ گئے تھے؟“
 ”ہاں گئے تو تھے اور ان دنوں ان میں سے وہ ایک سے مل
 بھی چکا ہوں۔“
 ”انہوں نے بھی کوئی خاص بات نہیں بتائی؟“
 ”بتائی ہے۔“ فریدی طویل سا سانس لے کر ولانہ تینوں
 مردوں کے ساتھ سنگ جی اور ایک مقامی کوہ پیما کے ساتھ ایلیوم
 کی چوٹی پر پہنچ گئے تھے۔
 ”لوکیا ایلیوم کی چوٹی پر پہنچنے ہی کی وجہ سے ان کی موت

واقع ہوئی۔“
 ”ہو سکتا ہے۔ اگر تم باقاعدہ اخبار پڑھتے ہو تو اس
 قسم کا سوال بھی نہ کرتے۔“ فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔
 ”انہاں سے کیا مطلب؟“
 ”مطلب یہ کہ لوہتر کی پانی نے ایلیوم کی چوٹی پر سر کرنے
 کے علاوہ اور کون سا کارنامہ انجام دیا تھا؟“
 ”مجھے اس قسم کی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔“ حمید
 ہونٹ سکڑ کر بولا: ”کوہ پیما... ہونہر! چڑھنے کے کسی پہاڑ
 کی چوٹی پر اور بلا سہے ہیں چوٹی کی طرح ہاتھ کیا انویٹ ہے۔
 اسے اس میں کیا دھڑلے۔ پہاڑی تو سب سے کچھ ترس
 پر کسی عورت کی چوٹی پر کھڑی اور اپنے سر کا ایک بال بھی کھینچ کر
 صاف نکل گئے۔... پہاڑی کی چوٹی... ہونہر۔“
 ”زنجیر اور مردوں کے مسائل میں بڑا فرق ہوتا ہے۔“
 فریدی بولا: ”شیر نہیں ہیں اسلام۔“ تو لوہتر نے ایلیوم کی چوٹی
 پر ایک پانچ سو سال پرانی لاش دریافت کی تھی۔
 ”پانچ سو سال پرانی لاش۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔
 ”ہاں! انکسلس کی ایک بارہ سالہ لاش کی لاش۔“
 جس کے باپ کی حکومت اب سے پانچ سو سال پہلے چلی اور ہیرد
 کے درمیانی علاقے پر تھی اور اسپین کے ایک محل اور فرانسیکو
 ہزاروں اس کا تختہ لٹ دیا تھا۔ شہری خاندان کے بہت سے
 افراد افریقی میں اور دوسرے جگہ نکلے۔ اسی میں شہر ادیگی
 تھی جس نے ایلیوم پہاڑ کی ایک زیادہ سنگان میں پناہ لی اور
 وہیں اس کی موت بھی واقع ہوئی۔ بہر حال وہ شیشے جی بن
 کے اندر اس طرح بیٹھی ہوئی تھی جیسے زندہ ہو اور ہر طرف سے
 نکلنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے مرے ہوئے
 ایک گھٹنے سے زیادہ نہ گزرا ہو۔
 ”حمید حیرت سے فریدی کے چہرے پر نظر نہ جھانکے۔ ہا۔
 ”آپ کسی جرم منصفہ کی تعینات کا ذکر کر رہے تھے؟“
 ”ہاں! اس نے اب سے باون سال پہلے جنوبی امریکہ
 کا سفر کیا تھا اور وہاں اسے اس شہزادی کے فرار کی داستان
 سنائی تھی یعنی اور لوگوں کا خیال تھا کہ وہ شہزادی ایلیوم کی چوٹی
 پر اب بھی موجود ہے۔ اس سفر نامے میں بہت سے عجیب و غریب
 کہ قصص میرے ذہن میں ہیں۔ بہر حال یہ تیلی گراف کے
 متعلق بھی میرے کسی بھی پڑا تھا۔ جرم فرانسیکو ہزاروں کی
 فوج کے خلاف استعمال کیا گیا تھا۔“

”تو کیا یہ غیر ملکی لوہتر کی پانی کے پیچھے اس لیے پڑ گئے ہیں
 کہ انہوں نے وہ لاش وہاں سے کیوں نکالی؟“
 ”ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”حمید
 صاحب اس کتاب کو ملنا بھی چاہیے۔ اس میں کچھ اور کچھ تھا۔“
 ”تلاش کروں گا اگر اب وہ لاش کہاں ہے؟“
 ”وہ تو اسی وقت وہاں کی حکومت کی تحویل میں دے
 دی گئی تھی۔ ایک دوسری بات، ایلیوم کی چوٹی صرف سولہ ہزار
 فٹ بلند ہے۔ اسے یہاں کے پہاڑوں کی کئی س سے بھی بلند
 چوٹیاں ابھی تک فتح نہیں ہوئیں۔ آخر تو لوہتر نے صرف سولہ ہزار
 فٹ بلند چوٹی کے لیے اتنا لمبا سفر کیا کہ اب وہ اپنا یہ شوق
 یہاں بھی پورا کر سکتا تھا۔“
 ”اگن ہے اس لاش کے لیے؟“ حمید بولا۔
 ”لیکن توہتر نے وہاں یہ بیان دیا تھا کہ لاش اسے اتفاقاً
 ملی تھی۔ اسے پہلے سے اس کا علم نہیں تھا۔“
 ”تب تو معاملہ واقعی دلچسپ ہے۔“ حمید نے معنی خیز
 انداز میں سر ہلا کر کہا۔

”چچہ“

”تصویر دلوے دانے کے جیسے توہتر شہزادی کے بارے
 اپنی لڑکی سے کہتا تھا۔ گھٹا بہت کچھ سوچ بچار کرنے کے
 بعد اس نے اسے ایک خط لکھا اور اس میں وہ پیش نظر کی کہ
 وہ کچھ دنوں کے لیے باہر چل جائے اور سنگ جی سے کسی
 صورت میں چٹکا کر لے سکتا ہے جب وہ تیل کر دیا جائے۔“
 اس کے جواب میں سارہ نے اسے لکھا کہ وہ فی الحال
 کہیں نہیں جاسکتی کیونکہ اس کا ایک کلاس فیلو کچھ دنوں کے
 لیے اس کے ساتھ قیام کرنے کی عرض سے آرہا ہے۔
 اس نئی اطلاع پر توہتر ہنسی طرح لکھ لکھا۔ وہ نہیں
 چاہتا تھا کہ ان دنوں کوئی اجنبی اس کو کئی میں قیام کرے۔
 آخر اسے سارہ سے دوبارہ گفتگو کرنی ہی پڑی۔
 ”حالات ایسے نہیں ہیں کہ آج کل کوئی غیر یہاں قیام کر
 سکے۔“ توہتر نے کہا۔
 ”کیسے حالات؟“ آخر آپ مجھے بتاتے کیوں نہیں؟“
 ”یہ مدت پچھو۔“ بس ایک شکل میں چھٹ گیا ہوں اور
 میں خود ہی حالات پر قابو پا نا چاہتا ہوں۔“
 ”بیکار بات ہے۔ سنگ جی آپ کو تباہی کی طرف
 لے جا رہا ہے۔“

”میں بہت جلد اس سے چٹکا کر پا لوں گا۔“
 ”لیکن میرا وہاں ضرور آئے گا۔“
 ”ضد نہ کرو۔“
 ”مجبوری ہے۔ اسے کس طرح ملنا جاسکتا ہے جب کہ
 میں خود اسے دھوکا دیتی ہوں۔“
 ”سنگ جی خواہ مخواہ تنگ کرے گا۔“ توہتر نے بے بسی
 سے کہا۔
 ”سنگ جی، سنگ جی! سارہ جھلا کر بولی: ”میں اس
 سوز کے بچے سے نہیں ڈرتی۔ اگر ضرورت پڑی تو میں اس کی
 کھوپڑی میں ایک اونٹن سیسہ اتار دوں گی۔“
 ”آہستہ بولو توہتر چاروں طرف دیکھ کر مضطربانہ انداز
 میں بولا۔
 ”ڈیڈی! کہیں میں تمہارے ساتھ کوئی ہمارا تاؤ ذکر
 بیٹھوں۔ سارہ بھیر گئی۔ تم دبی کیپٹن توہتر جو جس کے نام
 سے لوگ لرزتے تھے۔“
 ”وقت کی بات ہے بی بی۔“ سنگ جی نے کمرے میں داخل
 ہو کر کہا: ”تم اپنے پہاڑ کو ضرور بلاؤ۔ کیپٹن کی ذہنی حالت
 خراب نہیں ہے۔ وہ سنگ جی کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں جب کہ
 سنگ جی ان کی حفاظت کر رہا ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو تیلی گراف
 کے چوتھے شکار بھی ہوتے۔“
 ”تم آخر اجازت میرے کمرے میں کیوں گئے؟“ سارہ
 بیچ کر بولی۔
 ”مجھے انہوں سے۔“ سنگ جی نے کہا اور اپنے قدموں
 چلتا ہوا دروازے سے نکل گیا پھر اس نے رک کر کہا: ”کیا میں
 اندر آ سکتا ہوں؟“
 ”نہیں۔“ سارہ حلق کے بل چنچنی۔
 ”بہت بہتر۔“ سنگ جی بیٹے پر ہاتھ رکھ کر کھجکا اور وہاں
 سے چلا گیا۔
 ”ڈیڈی... جاؤ تم جی۔“ سارہ توہتر کو دروازے کی طرف
 دھکیلتی ہوئی بولی۔
 ”توہتر چپ چاپ کمرے سے چلا گیا۔ دبا داری کے سرے
 پر شاید سنگ جی اس کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ اس نے توہتر کو بیٹے
 سے اور بیک کھد کر دیکھا۔
 ”رہی سے اس قسم کی گفتگو کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“
 اس نے کہا۔

”میں نے سوچا ممکن ہے تم شک کرو؟ تو سحر نے یہی
 ہوئی آواز میں کہا۔
 ”کتاب یا گل ہو جائے تو اسے گولی مار دینی چاہیے۔“
 سنگ بھی آہستہ سے بڑھ گیا۔
 ”کیا؟“ ”لو سحر لو کھلا گیا۔“
 ”کچھ نہیں“ اس کا تعلق تم سے نہیں۔ سنگ ہی نے
 بھر دانی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔
 ”آخر یہ کھیل کب ختم ہو گا؟“
 ”بہت جلد تمہارے ساتھ ہی لو لا۔ ابھی تک میں ان حرام زلوں
 کے ٹھکانے سے نہیں واقف ہو سکا۔ میں جب بھی باہر نکلتا
 ہوں ان کا کوئی نہ کوئی میرا تعاقب ضرور کرتا ہے۔ شاید
 وہ مجھے زندہ بیکار چاہتے ہیں۔“
 ”میں سنگ آ گیا ہوں۔“
 ”تکلیف کے بغیر آرام کہاں کیسٹیں؟ سنگ بھی مسکرا کر
 بولا۔ لیکن یہ دوست حقائق کو یہ کہتا ہے کہ اس پتھان کو دوبارہ
 نوکر رکھنے کی کیا ضرورت تھی اور وہ پہلی رات کو تمہارے کمرے
 میں سوا رہا تھا۔“
 ”میں ان لوگوں سے بہت زیادہ خائف ہوں۔“
 ”فصل باتیں نہ بناؤ۔ سنگ ہی نے نرمی سے کہی کہ
 ساتھ کہا تو تم نے یہ انتظام سنگ بھی جیسے بے ضرر آدمی کے
 خلاف کیا ہے۔“
 ”نہیں... نہیں! یہ غلط ہے۔“
 ”خیر ہو گا، مجھے اس کی پروا نہیں۔ سنگ ہی نے کہا
 اور وہاں سے چلا گیا۔

کوشی میں داخل ہونے دے یہاں کو دیکھ کر سارہ
 ششدر رہ گئی۔ اسے تو یقین بھی تھا کہ وہ یہاں ہی کی طرح
 ایٹنگو انڈین ہو گا۔ اب وہ سوچ رہی تھی کہ اچھا ہی ہوا جو
 اس نے یہاں کے متعلق اپنے باپ سے زیادہ تفصیل کے
 ساتھ گفتگو نہیں کی تھی۔
 ”جو ان یہاں سارہ کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولا۔ یہ سارہ
 ... اولڈ گرل... کیا تم میری کو خوش آمدید نہ کہو گی؟“
 ”ہلو میکی، پور بوائے۔“
 دونوں نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہہ دیا کہ میں ان کے علاوہ اور
 کوئی نہیں تھا۔ یہاں نے آہستہ سے کہا۔ میرا نام مکمل کیسٹو

ہے سمجھیں۔
 ”نوکری سارہ کے کردار سے طرف چلا گیا اور وہ دونوں
 اسڈی میں آئے یہاں لو سحر اور سنگ بھی خاموش بیٹھے ایک
 دوسرے کو آنکھیں سے دیکھ لیتے تھے۔
 ”میک سے بیٹھے ڈیڑی“ سارہ نے سحر سے کہنا تھا۔
 ”میک آ سحر اور یہ ایک میرے ڈیڑی۔“
 ”بڑی خوشی ہوئی۔“ یہاں نے سحر کو سحر سے مصافحہ
 کرتے ہوئے کہا۔ سچا بات تو یہ ہے کہ مجھے یہاں ایک شخصیت
 کھینچ لائی ہے۔ میں نے آپ کی وہ کتابیں پڑھی ہیں جو آپ
 نے افریقہ کے شکار اور شکاریوں کے متعلق لکھی ہیں۔
 ”سارہ کے دوست میرے اپنے بچے ہیں۔ تم پہلے بھی
 نہیں ملے۔“ لو سحر نے کہا۔
 ”میں زیادہ تر دوسرے پر رہتا ہوں۔ اس کی ایک فرم
 کا ٹریڈنگ ایجنٹ ہوں۔ آج کی چھٹیاں گزار رہا ہوں۔“
 ”خوب!“ ”لو سحر مسکرایا۔ ان سے ملو یہ میرے کیریئر کی گتھی
 ہیں۔ شکار کے متعلق مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔“
 ”ادھ!“ ”یہاں نے سنگ ہی سے مصافحہ کرتے ہوئے
 کہا۔ مجھے چین اور چین میں سے بڑی محنت ہے۔“
 ”شکریہ!“ سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ ”ادھ یہ محنت تمہاری
 جانتی۔“
 ”میرا ایک چینی دوست ہیں چنگ پنگ بڑا اچھا معتمد
 ہے۔“ ”میک بولا۔
 ”ضرور ہو گا۔“ ”لو سحر نے کہا۔ اب ہم چائے پیمیں لگے۔“
 سارہ اسے اپنے ساتھ لے گئی۔
 ”یہ بڑا کمزور ہے۔ یہ بے وقوف معلوم ہوتا ہے۔“
 ”لو سحر نے کہا۔ اگر سحر نے ڈانٹنے کو شاید عقل مند معلوم ہو سکے۔“
 ”سنگ ہی دنیا میں صرف ایک ہی قسم کے آدمیوں سے
 ڈرتا ہے۔“
 ”لو سحر اسے گھورتے لگا۔ سنگ ہی چند لمحوں کے باہر
 اس نے کہا۔ ”میں ان آدمیوں سے جن کے چہرے پر حاکمیت ہے۔“
 ”دیکھا!“ ”لو سحر بھر جلدی سے بولا۔ میں دیکھتا تھا کہ تم شک
 کرو گے؟“
 ”اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ خیر تم کو تو ضرور ہی نہیں
 کو میرا اندیشہ درست ہی نکلتا۔“
 ”میں غریبی سے خائف ہوں۔“ ”لو سحر بولا۔ اس دن

کے بعد سے سحر اس نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ غالباً وہ محالمت
 کی تہ کو پہنچ گیا ہے۔
 ”غریبی سے ڈرتے ہو۔“ سنگ ہی پرس کر بولا۔ جس
 دن کو اسے خاک میں ملا دینا مگر شح محالمت کو طول دینا
 نہیں چاہتا۔
 ”بہت مشکل کام ہے سنگ ہی۔“ ”لو سحر نے کہا۔ وہ
 لاٹروں کی طرح مگلا اور شیر کی طرح بے غوث ہے۔“
 ”ابھی ہیں، ابھی ہیں۔“ سنگ ہی ہاتھ اٹھا کر بولا۔
 ”سنگ ہی کو ابھی تاؤ نہ دلاؤ۔ چپ میں ان کا صفایا کر دوں۔“
 ”پھر غریبی سے بھی پنٹ کر کھا دوں گا۔“
 ”تم ان کا صفایا کرو گے۔“ ”لو سحر نے حیرت سے کہا۔
 ”ہاں! میں اسے کچل کر کھانا کھا چکا ہوں۔“
 ”مجھے حیرت ہے۔“ ”لو سحر اپنی پیشانی پر پوچھتا ہوا بولا۔ آخر
 ان کی لاشیں کیا ہو گئیں؟“
 ”لاشیں؟“ ”سنگ ہی نے پوچھنا دیکھا۔ یا نہیں کبھی کچھ کام
 نہیں کرتا۔“
 ”لیکن ہم لوگوں کی زندگیوں بھی تو خطرے میں ہیں اور ہم
 نے بھی اپنے چین سمجھتے ہیں۔“
 ”ابھی میں تو یہ پوچھتا ہی ہے۔“ سنگ ہی بے پروائی
 سے بولا۔ ”ہو سکتا ہے کہ ابھی ہم پر اور بھی کچھ کے جائیں۔“
 ”میرے ذہن میں تو اب دوسری ہی تدبیر ہے مگر ان سحر کے
 بچوں کی قیام گاہ ہی میں معلوم ہو سکتی۔“
 ”کیا کرو گے؟“
 ”یہ موت پوچھو۔ چپ چپ بیٹھے دیکھو۔ یہ اب کس
 میری کوئی تدبیر نہیں پڑی۔“
 ”لو سحر نے کہنے کی دھمکیاں کجا کجا اٹھیں۔ ایک سچ سنائی
 اور پھر موت پوچھیں۔ کوئی ایسی وہ بڑی تیزی سے باہر نکلا۔
 ”نولڈ یہاں غسل خانے میں بیٹھ رہا تھا اور غسل خانے کا
 دروازہ اندر سے بند تھا۔ وہ دروازہ کھینچنے لگے۔ سارہ بھی وہاں
 آئی تھی۔
 ”پھر چانگ انھوں نے یہاں کے سہنے کی آواز سن لی۔ وہاں
 سے گالیاں بھی بکنا مارا تھا۔“
 ”سنگ ہی اور سحر نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا۔
 آخر غسل خانے کا دروازہ کھلا۔ سنگی نے انھیں دیکھا کہ ایک

چینیا جھینپا تو تھک گیا اور اسے معلوم ہونے لگا جیسے اب وہ
 بننے بننے شرمندگی کی وجہ سے رو رہے لگا۔
 ”کیا بات تھی؟“ ”لو سحر نے پوچھا۔
 ”کچھ نہیں۔“
 ”مگر تو ہی خواہ مخواہ سینے لگے تھے۔“
 ”اب کیا بتاؤں! ابھی نے شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے
 کہا۔ ”پوچھو تو میرے۔“
 ”عجیب کنوی ہو۔“
 ”کیا بات تھی؟“ ”سارہ نے پوچھا۔
 ”میرے... وہ کثرت تحریر... جس میں گھس گئی تھی۔“
 ”مجھ پر!...“ ”لو سحر کھڑا کر بولا۔ اس پر اسٹیشنر روک کر
 دیا۔ ”ابھی نہیں جانتے۔“ ”میری فریادیں میں بولا۔ اگر آپ
 کو واقعات کا علم ہو تو آپ بھی نہ کہتے۔“
 ”کیسے واقعات؟“
 ”میرے والد کی موت ایک پوچھائی وجہ سے ہوئی۔ اب
 بھی ایک پوچھائی وجہ سے پوچھا رہا ہوں۔ پوچھا رہا ہوں۔ خاندان کے لیے
 خوشحالی حالت ہے۔“
 ”میں نے اسے موت سے نہیں بڑھا دیا۔“
 ”تم نے سحر کو زندہ نہیں کیا۔“
 ”کیا تم کو کتنی بڑی بات تو ہے نہیں۔“ ”میں نے اس
 طرح کہا۔ یہ اس نے کسے تکلیف پہنچی ہو۔
 ”میں نے سحر کو موت سے سحر ہی بڑھ کر کرایا۔
 ”میں نے اسے دلا۔ ابھی جنگ عظیم کے ایک سپاہی تھے ایک
 سو پہلے بہت کدہ میں پڑا تھا۔ اسے ڈھن بڑھایاں پر لپٹے
 تھے۔ اس کا کھلی تھی ان کے کالوس ٹکھلائی اور وہ بے ساختہ
 اس کے اچھے چھ سارے اچھے چھ سارے ایک گولی ان کی پیشانی میں
 گھس گئی۔ اس کا سر ٹکھلائے والی پڑا ایک پوچھائی میرے
 باپ کا بھی یہی شہر تھا۔ وہ گرمیوں کی ایک رات میں باپ باغ
 میں سو رہے تھے۔ اچانک ایک چھوٹا سا کسٹن گھس
 آئی۔ وہ دیکھ کر حاکم چل کر جاگے اور باپ کے کفن میں
 جا کر گئے۔“
 ”ادھ!“ ”لو سحر نے کہا۔
 ”تو بہت اچھا ہوا کہ آپ اس وقت غسل خانے میں
 تھے۔“ ”سنگ ہی نے سجدگی سے کہا اور سارہ اپنا پتلا ہونٹ
 چبانے لگی۔

ہاں میں بھی کڑی سوچ رہا تھا۔" میکی بولا۔
 "وہ تو سزاوارتہ سنگ تھی وہاں سے پہلے گئے۔
 "کچھ بچہ بتاؤ کیا بات تھی؟" سارہ نے پوچھا۔
 "یہی بات تھی۔" میکی نے کہہ دیا۔
 "اگر یہی بات تھی تو تم کیا کر سکتے تھے؟"
 "میں دلاڑن بنا اچھا ناپتا نہیں ہوں۔"
 "تمہیں فریدی صاحب نے بھیجا ہے؟"
 "کون فریدی؟" میکی نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سنا اور پھر
 مجھے کوئی بھیجے ہی نہیں لگا۔ آہ... سارہ دُور تم اب بھی پہلے
 ہی جیسی شریہ ہو۔ یاد ہے جب تم نے پروفیسر کو لڑکھائی
 کھینچ مارا تھا؟"
 "کیا جو اس ہے؟ میں نے آج تمہیں پہلے پہل
 دیکھا ہے۔"
 "میکی نے بدل کھول کر قبضہ لگائے پھر بولا: خدا کی قسم
 سارہ! تم غضب کی ایک کینکڑی کر رہی ہو۔ اگر کوئی تیسرا یہاں موجود
 ہوتا تو تمہارے اس انداز کو بناؤ کبھی نہ دیکھتا۔"
 سارہ کو کھلائی ہوئی نظروں سے اُسے گھومنے لگی۔
 "دلیے اگر اب تم کسی بڑائی بات کا بدلہ لینا چاہتی ہو تو
 بات دوسری ہے۔ میکی نے بالواسطہ انداز میں کہا۔
 "تمہیں فریدی نے بھیجا ہے؟"
 "نہ جانے کس کس کا ذکر کر رہی ہو۔ میں اس آدمی کو
 نہیں جانتا۔"
 "تب پھر میں تمہیں نہیں جانتی۔ چپ چاپ یہاں سے
 چلے جاؤ۔"
 "کیا؟" میکی نے حیرت سے کہا: میں خواب دیکھ رہی ہوں
 یا تمہارا دماغ جل گیا ہے۔ تم مجھے نہیں جانتیں کیا خود ہی تم نے
 مجھے بلوے نہیں کیا تھا؟"
 "بھگوان نہیں۔"
 "اوہ! میں سمجھا! بالکل ٹھیک تھا۔ تم بہت کڑے پردہ پر۔ پچھلے
 سال میں جو تھوڑی سی وقتی رنجش ہوئی تھی تم اس کا بدلہ
 اب میری تو تین کر کے لینا چاہتی ہو؟"
 "واہ! اچھی رہی۔ میں نے آج سے پہلے نہیں کبھی دیکھا
 تک نہیں۔"
 "ہاں شیک ہے۔ یہ نظروں سے کبھی نہ دیکھا ہو گا جن
 نظروں سے اس وقت کچھ رہی ہو۔ آہ سارہ کیا تم وہ باتیں

نبولی گئیں جو میرے نمودوں کے سلسلے میں کی تھیں۔
 اور وہ احوال کے سلسلے... وہ محلات جو میرے کھیل
 کے سلسلے میں گزرا ہے۔ کیا سارہ! یہی نبولی گئیں۔ میں ہرگز نہیں۔
 "تم آؤ جو کیا بلا؟" سارہ جھنجھکی اٹھی۔
 "آہ... آج میں بلا ہو گیا۔ میں چھٹی بج کر آیا ہوں تھا۔"
 سارہ انہی میں سے تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر فریدی
 کا بھیجا ہوا آدمی ہو تا تو اس قسم کی گفتگو بھی نہ کرتا پھر آؤ وہ ہے
 کون؟ اور اس ویدہ دلیری کا کیا مطلب؟ اس نے سوچا کہ فی الحال
 بات بڑھانے سے زیادہ بہتر یہ ہو گا کہ وہ اس کے مستحق فریدی کو
 فون کرے۔
 "دیکھو! سارہ! اب تم کوئی بڑی بات سوچ رہی ہو؟
 خلاف؟" میکی نے سنجیدگی سے کہا: "میں شریہ چاہا ہوں گا لیکن آج
 نہیں۔ اس طرح میری تو تین نہ کرو۔"
 "اوہ... ارے؟" سارہ ہنسنے لگی۔ "اب تو واقعی مجھے
 بھی اپنی اداکاری پر غور کرنا چاہیے۔"
 "دیکھو! میں نہ کہتا تھا... ہاں! میکی نے بھی قہقہہ لگایا۔
 58
 پستہ قدر اور جلدی جسم والے آدمی نے ٹریک کا کنبیل کے
 چھیننے کے باوجود بھی سڑک پار کر لی۔ یہ ایک سفید فام غیر ملکی تھا۔
 شاید اسی لیے کانبیل نے فحش احتیاجی انداز میں چھینے پر اتفاقاً
 کی تھی ورنہ اگر یہ حرکت کسی دیسی آدمی سے سرزد ہوتی ہوتی تو
 اُسے سال بہن والا ہونے پر مزہ اور افسوس کرنا پڑتا۔ سنگ تھی کو
 سڑک کے اسی طرف ڈک جانا پڑا۔ وہ بڑی دیر سے اس پستہ قد
 غیر ملکی کا تعاقب کر رہا تھا۔ جب ٹریک کا کنبیل نے ہاتھ اٹھا کر
 دوسری طرف کا ٹریک روک دیا تو سڑک کے کنارے کھڑے
 ہونے لگا۔ دوسری طرف جانے لگا۔
 لیکن اب سنگ تھی اپنا شاندار کھوکھو کا تھا۔ سڑک پار کرنے
 کے بعد اس نے اسے ایک پستی کی گلی میں گھسنے دیکھا تھا اور پستی
 دیر سے سڑک کے کنارے ڈکنا پڑا تھا۔ اسی دیر میں تو وہ چلنے
 کہاں جا نکلا ہو گا پھر بھی سنگ تھی سے بہت نہ باری وہ بھی اسی
 گلی میں گھس گیا۔
 شام ہو چکی تھی لیکن ابھی اندھیرا نہیں پھیلا تھا۔ سنگ تھی
 گلی پار کر کے دوسری سڑک پر آنکلا لیکن وہ پستہ قد غیر ملکی کہیں
 نہ دکھائی دیا۔
 سنگ تھی اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا ایک

جھوٹے سے بارش گھس گیا۔ کاندھ پر اس نے بڑا کالیک جگ
 طلب کیا اور کھڑے ہی کھڑے سینے لگا۔ وہ سینوں پر بیٹھے ہونے
 لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا پھر اس کی نظر اس ایک مونی سی ادھیڑ
 عمر دیسی عیدنی عورت پر جم گئیں۔ اس کے ہونٹوں پر شرات کیز
 مسکراہٹ چھل گئی۔ وہ بڑا کالیک جگ باغدی میں لیے ہوئے آہستہ
 آہستہ اس کی طرف بڑھا۔
 "آہا! ماسٹر سنگ! عورت اسے دیکھ کر پھل پڑی۔
 سنگ تھی نے جواباً مسکرا کر اسے آنکھ ماری پھر وہ بھی کرسی
 کھینچ کر اسی میز پر بیٹھ گیا۔
 "کہاں کہاں ڈھونڈا ہے تمہیں یہ وہ ٹھنڈی سانس
 بھر کر بولا۔
 "تمت۔ بے وقوف بناؤ۔"
 "اس طرح نالوست۔ سنگ تھی مسکرا کر بولا: میں جانتی ہوں
 کہ آج کل تمہارا کاروبار اس کیوں میں ہے؟"
 "کیسا کاروبار؟ عورت بیکر کر رہی۔"
 "لوگوں کا؟"
 "ایک شریف عورت کو الزام نہ دو۔"
 "اس شریف مرد کا بھی خیال رکھو تو ایسا کیوں ہو؟"
 "تمہیں پتہ ہے؟" میکی نے گتے میں سے
 میں مرنے والے دم تک تم سے محبت کرتا رہوں گا۔ سنگ تھی
 نے غصہ میں کہا۔
 "عورت کچھ نہ بولی۔ وہ پستہ قد سنگ تھی کو گھورتی رہی،
 پھر کہا: تم چاہتے کیا ہو؟"
 "آہ... بہت کچھ۔ بس ایک ایک دو کچھ بھی تم سے
 بہت ہے۔"
 مونی عورت نے بے ساختہ جھینپنے کی ایک کھنگ شروع
 کر دی اور سنگ تھی یہ غماز کر کے لگا جیسے اس کی ہر ہر ادا پر
 اس کا مہر و ہوا جا رہا ہو۔
 "تم بڑے سوار ہو۔ مونی عورت نے آنکھیں جھپک کر
 آہستہ سے کہا۔
 "وہاں اس اپنے کام سے ذہنت پالوں تو تمہیں بتاؤں کہ
 جڑت کے کہتے ہیں۔ ہم جھینپوں کے یہاں محبت کرنا، ہمیں
 آرٹ ہے۔"
 "مجھے آج تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ تم کام کیا کرتے ہو؟"
 "کام سے میری مراد یہ ہے کچھ ایک آدمی سے پشنا ہے۔"

"لڑائی جھگڑا۔"
 "ہاں! وہ بہت فادہ رسا ہے میری جتنی کو جھگڑا لیا ہے۔
 ہم جھینپے سے بہت ترکتے ہیں۔"
 "کون ہے؟ کیا وہ اسی شہر میں ہے؟" عورت نے پوچھا۔
 "ہاں! لیکن افسوس! میں یہ نہیں جانتا کہ اس کا قیام
 کہاں ہے۔ وہ ایک امریکن ہے چھوٹے سے تندر کا بھتیجا پھر
 آدمی۔ دہائے گال پر ایک بڑا سا نیلوان دھبہ ہے۔"
 "اوہ! عورت کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اگر میں اس کا
 پتا بتا دوں تو..."
 "میں تم پر اپنی جان قربان کر دوں۔"
 "مگر اس کے ساتھ کوئی عورت نہیں رہے گی۔"
 "کہاں ہے وہ؟ سنگ تھی نے غضب آورہ ہنسنے میں
 کہا: اس نے اُسے کہیں اور چھپایا ہو گا۔ وہ جانتا ہے کہ
 بچا سنگ تھی میں موجود ہے۔"
 "جس نیلے کے امریکن کا ذکر وہ تم سے کیا ہے وہ نیا گرا
 ہوئی میں نہیں جانتا۔"
 "شکریہ! میں مرنے والے دم تک تمہاری محبت سے سزاوارتہ ہوں۔"
 "بس سب سے دیر جانی ہیں کے؟ مونی عورت چمکنے کی
 کوشش میں تھکتا کر رہ گئی۔
 "اچھا میری جان! اگلے ہی وقت میں میں گے۔ سنگ تھی
 نے کہا اور اس کے مونے اور عقدے ہاتھ کا پوسے لے کر کاندھ
 کی طرف چلا گیا۔
 قریب کی میزوں پر چند اوباش قسم کے لوگوں نے قہقہے
 لگائے اور وہ جھینپ کر چھت کی طرف دیکھنے لگی۔
 سنگ تھی جا چکا تھا۔ لوگ اب تک عورت پر آؤ نہ
 کس رہے تھے۔ اُسے وہاں بیٹھا محال ہو گیا۔ وہ بھی اسی
 اور دروازے سے نکل رہی تھی کہ ایک قدر آورہ عورت
 نوجوان نے اس کا راستہ روک لیا۔
 "کیا ہے؟" عورت جھنجھلا کر بولی: "میں آپ کو نہیں جانتی۔"
 "بھٹیک ہے؟" نوجوان مسکرایا۔ "میں تمہارا کوئی گاہک
 نہیں، سی آئی ڈی کا ایک افسیر ہوں۔"
 "کیا... مم... طلب۔ عورت کھرا کردہ چار قدم پیچھے
 ہٹ گئی۔
 "میرے ساتھ آؤ۔ فریدی نے تھکاؤ انداز میں کہا۔
 عورت چپ چاپ اس کے پیچھے چلنے لگی۔

ہاں بیٹھو! ” فریدی نے کیدی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ عودت نے قہقہہ کی۔ فریدی بھی اس کے برابر بیٹھ گیا اور کیدی جل پڑی۔
 ” تم نے تمہارے کاروبار کے متعلق پوچھنا چھوڑ کر کون کیا؟ “ اس نے نرم لہجہ میں کہا۔
 عودت کچھ نہ بولی، اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار بدستور ظاہر رہے۔

"کوئی مرد؟"
 "جی ہاں میں نے اسے بہت تہنید دیکھا ہے۔"
 "اچھا! اس ملاقات کا تذکرہ سنگ جی سے نہ کرنا ورنہ
 نیچے کی قم خود تر و در ہوگی۔ میرا ایک آدمی ہر وقت تمہاری نگرانی
 کرے گا۔"
 فریدی نے تیزی سے رک دیکھی اور ہل گئی۔
 ۵۵۵
 نیا گرا ہوئی کی عمارت شہر سے باہر ایک پُر نضا مقام پر
 واقع تھی۔ یہ بہت ہی اونچے قلم کا ہوئی تھا اور یہاں کم از کم
 متوسط طبقے کے لوگوں کی رہائش قریب قریب نامکمل تھی۔ سنگ جی
 کی ٹیکسی بڑی تیز رفتاری سے نیا گرا ہوئی کی طرف جا رہی تھی۔
 عورت سے گفتگو کرنے کے لئے وہ سیدھا لوہر کی کھڑکی لگا تھا
 اور وہاں اپنے اظہار تکمل کے بھر پور کی طرف واپس آگیا
 تھا۔ یہاں اس نے نیا گرا ہوئی کے لیے ٹیکسی لی۔
 رات کے آٹھ بج چکے تھے اور نیا گرا ہوئی کا ڈانٹنگ
 ہال بھرا ہوا تھا۔ شاید یہ کوئی تیز خیالی لڑکی ہو۔ جیسے ہی
 سنگ جی ڈانٹنگ ہال میں داخل ہوا، ہیڈ میسٹر نے آگے
 بڑھ کر مودت باندھ دی۔
 "جناب والا کے لیے لائن پر انتظار کیا جاسکتا ہے۔"
 "اودھ شکریہ! ہیڈ! مجھے صرف ایک صاحب کی تلاش
 ہے۔ میں ان کا نام سہول گیا۔ وہ یہیں مقیم ہیں۔"
 "نام سہول گئے تب تو مشکل ہے۔ اور کوئی خدمت؟"
 لیکن میں خلیہ بتا سکتا ہوں۔ اس جی ملاقات ہوئی
 تھی۔ امریکن ہیں۔ لیڈر قدر بخاری جم دینے کا پیرنگول چوڑا
 ہینڈ وہ میٹر ہے اختیار مسکرا کر اور اس کی مسکراہٹ نے
 سنگ جی کو کچھن میں ڈال دیا۔ وہ اس کی مسکراہٹ کا مطلب
 قطعی نہ سمجھ سکا کہ اس مسکراہٹ میں کوئی غریبی معمولی بات ضرور تھی۔
 "آپ شاید میسر ہو رہی کو لوچ چھو رہے ہیں؟" بلا خیرید پڑ
 نے کہا۔
 "پارٹی! پارٹی! اسنگ جی سر ہلا کر بلا بے شک وہی!
 اب نام یاد آگیا۔"
 "وہ تیسری منزل پر کمرہ نمبر چوراسی میں ہیں۔"
 "شکریہ ہیڈ! سنگ جی سے دس کا ایک نوٹ جیب
 سے نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
 "جی جناب! اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے کوئی بڑی

خدمت انجام نہیں دی۔ شکریہ! اس پر دوسرے طرف مڑ گیا۔
 سنگھتھی نے ایک حویل سانس لے کر ٹوٹ کر پھر جیب
 میں ڈال لیا۔
 لطف تیسری منزل کی یاد دہانی میں ٹک گئی اور سنگھتھی
 باہر نکل کر پھر اسی خبر کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کا ڈسٹا ہاتھ
 کوٹی جیب میں تھا اور بائیں ہاتھ سے اس نے دروازے
 پر دستک دی۔

کے زیورات پہنے دے مجھے بہت بلا آتی ہے۔ میں نے آج کبھی
ایسی معصومیت اور سیرجی کا ملازم کسی زندہ لڑکی میں نہیں دیکھا۔
کرنل مجھے وہ مرتد مذہب کا یورپین کونش ہم آگے بڑھنے سے
نہ لگائے گا اور اگر انہ میں زندہ کچھ عورتیں بیٹھا آئے کھڑے ہوتے
ہم گھر گئی۔ مجھے داستان اس کے منظر سے بالکل
وہ چھپا نہیں۔

کا پرچار کرتا تھا۔

”بہت خوب“ فریدی سکرایا۔

”بدنام اتنا بھول کر اپنی موجودہ ملازمت بھی نہیں ترک کر سکتا۔ مجھے کون رکھنا ہے نہ کرے گا۔“ لوتھر بڑا ظالم آدمی ہے۔ دن بھر میں جس پانچ ہنٹر چار دینا کوئی بات ہی نہیں۔ جو کچھ بھی وہ کہتا ہے سچے کرنا پڑتا ہے۔ نہ جانے کس بات پر چند پر اسرار غیر ظالموں سے دعائی نول لے بیٹھا اور اب میری جان ہر وقت سولی پر لٹکتی رہتی ہے۔ انھوں نے اس کے تین آدمیوں کا صفایا بھی کر دیا ہے۔

”لیکن دشمن کی دوسرے“

”غریب سنگ بھی کیا بنا سکتا ہے۔ وہ تو بس حکم کا غلام ہے۔ تاش کا ایک معمولی چتا ہے لوتھر ایک دن کسی بڑی بازی میں جو تک کر پیشہ کے لیے تھک کر رہے گا۔“

”اچھا سنگ، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تم اب جا سکتے ہو۔“ فریدی نے اٹھ اٹھا کر کہا۔

سنگ بھی کرسی سے اٹھ کر اٹھ اٹھا کر اس طرح اٹھنے والوں سے چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا کہ اس کی پشت فریدی کی طرف نہ ہو۔ فریدی اس کی اس حرکت کا استہزائیہ انداز بڑی طرح محسوس کرنے کے باوجود بھی خاموش رہا۔

”جی ہاں“۔ مسکی یا عید لوتھر سے فریدی انداز میں کہہ رہا تھا۔ میرے دادا نے ایک بار جوانی بندوق سے شہر کا شکار کیا تھا۔

لوتھر ہنسنے لگا اور سارے نے بھی قہقہہ لگایا۔ سنگ ہی اس وقت موجود نہیں تھا اس لیے دونوں دل کھلی کر ہنسنے لگا رہے تھے اور عید نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی کہ لوتھر سنگ بھی کی موجودی میں کچھ بدحواس سا رہتا ہے۔ اس کا ذہن کہیں اور ہوتا ہے اور ہم کہیں اور۔ بالکل غالی الذہنی سا سا انداز۔

”شاید آپ غلط سمجھے ہیں۔“ عید نے لوتھر سے کہا۔

لوتھر نے کہا۔

”میں نہیں کہتا کہ مجھے یقین نہیں ہے ساری دنیا کا پریس تو جھوٹ بولنے سے رہا اور پھر میری نظروں میں ایک دوسرا پراسرار واقعہ ہے جو غالباً اسی سلسلے کی کوئی دوسری بات ہے۔ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا،“ لوتھر کے کان کھڑے ہو گئے۔ ”آپ کے تین کوہ پیماؤں کی پراسرار موتیں، اپنی کبھی عید نے کہا اور سارے کو وہاں سے کھسک جانے کا اشارہ کر کے پھر لوتھر کی طرف دیکھنے لگا۔

”حالات پر اسرار ضرور ہیں۔“ لوتھر نے کہا۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ ان کا تعلق اس لاش سے ہو۔“

”نہ ہوگا۔“ عید نے بے پروائی سے کہا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ کشتی کیر والا حربہ جنوبی امریکہ کی کبھی چیز ہے وہاں کے بعض غیر مغرب اور قدیم باشندے اب بھی اس کا استعمال کرتے ہیں۔

”میں کی کیا تم بھی لو کر دو گے۔“ سارہ بھیجا لکڑی ملی۔ ”سنگ اچھی بھولے والے تذکروں سے“

”مجھے تو ایسے معاملات سے بڑی دلچسپی ہے۔“ عید نے کہا۔ ”تو جہت میں جاؤ۔“ سارہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور بظاہر غصے میں بھری ہوئی باہر نکل گئی۔

عید ہنسنے لگا۔ لوتھر بھی جواں مسکرایا لیکن محض ہنٹوں کے پھیلاؤ کو نوکسراہٹ کہہ نہیں سکتے۔ لوتھر کچھ سراسیمہ سا نظر آنے لگا تھا۔

”تم کیسے جانتے ہو؟“ اس نے عید کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“

”بات دراصل یہ ہے کہ مجھے نہ ہوں اور ان کے استعمال کے طریقے سے بڑی دلچسپی ہے۔“ اس سلسلے میں انہوں نے لاتعلو کتا میں پڑھی ہیں۔ میں نے ان کیوں کے متعلق کبھی نہیں پڑھا تھا۔ دیکھئے اس قبیلے کا نام تو اس کا دار ہے جس کے اعتقاد بھی اس طریقے کو استعمال میں لاتے ہیں۔ ٹیلیڈوریان... نہیں پور سین... کچھ اس قسم کا نام ہے اس قبیلے کا۔ سادہ شگ یاد آگیا۔ گوگرگن قبیلہ۔

”تہذیبی معلومات بہت وسیع معلوم ہو چکی ہیں۔“ لوتھر نے کہا۔

”بس پڑھنے کا شوق ہے مجھے۔“

سفید ہو گیا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ وہاں کے قدیم باشندے آپ کے اس فعل پر ناراض ہو گئے ہیں۔“ عید نے کہا۔

”کیا ہے؟“ لوتھر چونک پڑا۔ ”اس کا آواز میں کیکیا تھا۔“ ”کچھ نہیں۔“ عید نے کہا۔ ”میرے ذہن میں میں نہیں دیکھتا۔“

”ایک ناول تھا۔“ آپ نے تو بڑی حلقہ پڑھا کر رکھا۔ ”نہیں میں نے نہیں پڑھا۔“

”اچھا ہی ہوا تو میں پڑھاؤں نہ آپ بہت بول رہے تھے۔“ اس سے بڑا اور مصدقہ آج تک میری نظروں سے گزرا ہی نہیں۔ اگر آپ کو مزید بول رہے تھے تو اب جہش ہو تو اس کا ناول مقرر جس کو تا ضرور پڑھئے۔ مجھے تو وہ ناول ٹولس کی بجائے کسی پولیشی غلے کا منشی معلوم ہوتا ہے۔“

لوتھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک انھوں نے ایک تیز قسم کی چیخ سنی اور یہ چیخ سارے کے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

دونوں بوکھلا کر اٹھے۔ چند نوکر بائیں باغ کی طرف بھاگ رہے تھے۔

”جناب ادھر!“ ایک نوکر نے حاشا جینتا ہوا بائیں بازو کے دریاں ٹھوں کی طرف بھاگ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں کافی آکر اتری گئی۔

لیکن سارے کا کہیں پتا نہیں تھا۔

”میں نے دیکھا تھا۔“ ایک نوکر بانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔ وہ

”میں تھے یہاں اندھیرا تھا جس صاحب برآمدے میں تھے۔“

”اگر وہ وہاں تھا!“ لوتھر اسے سمجھو کر بولا۔

”دھلے گئے۔“

”اور کم بہت اور تم منہ دیکھتے رہے۔“

”میں کچھ سمجھا رہی نہیں صاحب۔“

”وہ نوکر جو بائیں بازو کی طرف دوڑا تھا وہاں آیا۔“

”غائب! سب غائب ہو جائیں کوئی بھی نہیں۔“ نوکر نے

”دہشتے ہوئے کہا۔“

”ایک ایک رہا ہے۔“ لوتھر حلق پھاڑ کر چیخا۔

”صاحب وہاں سے ہی گئے تھے۔“

”عید وغیرہ بائیں بازو والے کمرے کی طرف دوڑے

”گروہاں میں ستا تھا۔“

”عید نے قد آدم جھاڑیوں کا گوشہ گوشہ دیکھ ڈالا مگر

سارے کہیں نہ ملی اور نہ ہی معلوم ہوا تھا کہ ادھر کوئی آیا ہے۔

آخر عید کو چار دیواری کا ٹوٹا ہوا حصہ دکھائی دیا جو قدر آدم جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ وہ اس میں سے ہو کر نکلا۔

لوتھر بھی اس کے ساتھ تھا۔

ادھر ایک نامور ساسا میلان تھا۔ یہاں ایک جگہ کچھ بیٹوں کی کار کے بیٹوں کے تازہ نشانات۔ نے ان پر حقیقت واضح کر دی۔

لوتھر نے کچھ شاپنا سنا پٹ پٹ کر سنگ بھی گولیاں اس سے دیا تھا۔

”اس کا اس میں کیا تصور ہے؟“ عید نے حیرت سے پوچھا۔

”وہ ہے چاہ تو موجود بھی نہیں ہے۔“

”اگر وہ!“ لوتھر ہوا میں مٹکا ہوا کر بولا۔ ”میں اس حرام زادے کی قبریں چاہوں گا۔“

”بہتر یہ ہے کہ آپ پولیس کو فون کیجئے۔“ عید نے رائے دی۔

لوتھر کوٹھی میں واپس چلا گیا تھا۔ اسے پکڑ کر آگے

”تھے۔ وہ بھی کئی بار گئے۔“ عید نے اسے

”کوٹھی میں بیٹھ دیا تھا اور کمرے کے پتیل کے نشانات کو دیکھتا ہوا

”آگے بڑھ رہا تھا یہاں پھر نہیں تھا۔“ وہاں کچھ بولی تھی

”دہشتانی گوری تھی لیکن اس قسم کے نشانات صرف وہیں تک

”جہاں تک کارٹر کے پتے نہیں پہنچے ہیں۔“ عید نے اس کے بعد

”ہی معلوم ہو سکا۔“ عید کافی دیر تک سڑکی پر کھڑا ادھر ادھر

”دیکھتا رہا پھر وہ بھی کوٹھی میں واپس آگیا۔ یہاں لوتھر کی

”بجیب حالت تھی۔ کبھی وہ غصے میں دھڑکتا تھا اور کبھی

”کی طرح بیٹھ جھوٹ کر رہنے لگتا تھا۔“

”ایک پولیس کو اطلاع دی گئی؟“ عید نے پوچھا۔

”جی ہاں!“ لوتھر کھڑی ہوئی آواز میں بولا۔

”تو میں فون کرنے جا رہا ہوں۔“

”نہیں! اس کی ضرورت نہیں۔“ لوتھر جلدی سے بولا۔

”کیا؟“ عید نے حیرت سے کہا۔ آپ پولیس کو اطلاع

”نہیں دیں گے؟“

”لوتھر کچھ نہ بولا۔ اب وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا۔ عید

”نے ایک بار میرا پتا سوال دہرایا۔“

”نہیں۔“ لوتھر بھیجا لکڑی بولا۔ ”اپنے معاملات میں خود

کر سکتا ہوں۔
 دیکھ کر عجیب بات ہے۔ عید نے کہا اس کا تو یہ
 مطلب ہوا کہ آپ ان لوگوں سے واقف ہیں جنہوں نے یہ
 حرکت کی ہے۔
 وہ خاموشی سے اپنا کام کر رہے تھے ان معاملات سے
 سرگرم نہ ہونا چاہیے۔ "وہ تو میرے پیچھے ہیں کہا۔
 "میں بڑا خوش نہیں ہوں کہ سنا۔ سارہ میری دوست ہے۔
 "میری بیٹی ہے۔ وہ تو خوش ہو کر رہے گی۔
 "اس کے بارے میں آپ...؟
 خاموش رہا۔
 عید خاموش ہو گیا۔ اس نے میں نے سنا کہ وہ کھانا کھا کر
 میں داخل ہوا۔
 "یہ تو کتنا کھانا کھا رہی ہیں؟" اس نے کہا۔
 سوال کیا۔
 "تم؟" وہ تو بڑا کھانا کھا رہا تھا۔ چند لمحوں کے لیے
 غضب آلود نظروں سے دیکھتا ہوا پھر پلاٹیر سے ہاتھ اٹھاتا۔
 وہ دونوں عید کو کمرے میں لے جاتا پھر دھڑکے۔
 ۵۵
 "مگر بہت حرام زادہ ہے۔" وہ تو میرے دوسرے کمرے میں پہنچے
 ہی تھے۔
 "سنگ ہی اس کی گرفت سے نکل کر وہ کھانا کھا رہا تھا۔
 جب سے وہ لوہا نکال کر اس کا دھڑکنا تو میری طرف کرتے ہوئے
 کہا۔ "تم بے رحم زادہ بلاشبہ کہہ سکتے ہو لیکن میں کم بہت
 کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ کم بہت ہوتا تو میرے دشمن توں زندہ
 ہوتا۔
 "مگر یہاں ہے؟" وہ تو میرے چاروں طرف تھا۔
 "اوہ۔۔۔ تو تم مجھ سے ہو؟" سنگ نے عید کی
 سے کہا۔ لیکن میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔
 "تم جو سوتے ہو؟"
 لیکن اس وقت تک بول رہا تھا۔ وہ تو میرے نہ بنو۔
 اس میں اتنی سفید کوڑھلا کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ وہی اسے
 سے گئے ہیں اور شاید اب نہیں اس طرح ہنسنے لگے۔ کہاں
 تک سارہ کی زندگی کا سوال ہے وہ خاموش رہا۔
 وہ تو کسی سوچ میں تھا۔
 "بہتر یہی ہو گا کہ اس شخص سے فی الحال اپنی زبان بند

رکھو۔ سنگ نے کہا۔ "تو کوئل کو کھانے کی کوشش کرو کہ
 سارے مذاق کیا ہے۔"
 "مگر وہ سوچا کہ کچھ نہیں۔" وہ تو اپنی پیشانی پر گھونٹا ہوا
 دھڑک رہا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ حالات پر اسرار میں ادب ہی کہتا ہے
 کو پولیس کو فوراً اطلاع دی جائے۔
 سنگ نے ایک لمبے سانس کے کر رہا تھا۔
 ڈال لیا اور پھر کوٹھنے کا لٹا کر دے۔ مجھے خود بھی پیچھے
 گیا۔ اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ دھن کی تھی۔
 "تب تو معاملہ بہت آسان ہو گیا ہے۔ اس نے کہا۔
 "میں آج رات کو اس کا صفایا کروں۔"
 "کیا؟ نہیں نہیں۔" وہ تو کھانا کھا رہا تھا۔
 "بکوس ہے۔" سنگ نے کہا۔ "اس کا سنا منہ بنا کر کہا۔ اگر
 اسے زندہ رکھا گیا تو میں ایک نئی الجھن میں مبتلا ہونا
 چاہتا ہوں۔"
 "تم بہت بڑے شکاری کوشش کر رہے ہو؟"
 "پتا نہیں تم اسے اتنی اہمیت کیوں دیتے ہو؟ سنگ نے
 نے کہا۔ "میرے لیے قتل کرنا یا بھلے بیسی ہے جیسے میں نے
 کوئی دھڑکنا۔ ایک جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ دیا اور
 اس کے بدن میں اس طرح تفریق میں مشغول ہو جاتا ہوں،
 جیسے دن بھر کی تھکن کو دور کر رہا ہوں اور دوسرے دن بھر
 یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ میں نے کسی کو قتل کیا تھا۔"
 "نہیں سنگ نہیں۔ میں یہ اپنے گھر میں نہیں ہونے
 دہن گا۔"
 "ملا کر اس دن انہی لوگوں کا ایک ساتھی نہیں ہی
 گھر میں لایا تھا۔"
 "مجھے اس کے متعلق بھی نہیں معلوم ہوا تھا۔"
 "کیا تم بہت دیر سے خراب نہیں ہو؟" سنگ نے
 نے طنز بے نیچے ہی بوجھا پھر اس نے اٹھ کر امدادی سے شیشی
 کی بوتلی اور دھواں نکالے۔ "انہیں میرے پیکٹس ہوا ہوا۔
 جب تم پر ناموسی کا حمل ہو تو ایک بڑا پیکٹ فریڈ لے
 لیا کرو۔"
 "وہ تو کچھ بولا۔ اس نے ایک ہی سانس میں گلاس
 خالی کر دیا۔
 "اس سے کیا باتیں ہوتی ہیں؟" سنگ نے بوجھا۔
 "وہ تو میرے قہقہے کا سبب بن گیا۔" اس نے کہا۔

یہی تذکرہ کیا جو باج موسیٰ پرانی لاش کے متعلق ہوئی تھی۔
 "بھول چھا۔" سنگ نے کہا۔ "اپنے لیے دھڑکنا
 میں سانس سے سوڑا اٹھتا ہوں۔" میری ایک یہ ہے
 کہ آج رات کو میں اس کا خاتمہ کروں۔ وہ تو صبح پورٹ کھا دو کہ
 وہ اور بھاری لڑکی نہیں فرار ہو گئے ہیں اور دوسرے ہزار روپیہ
 بھی غائب ہے۔"
 "کیا بکوس ہے؟" اپنی لڑکی کے لیے یہ کھاؤں کا؟
 "کیا حرج ہے۔ اصل معاملے کی پردہ پوشی بھی ہو جائے گی تو
 نوکروں کو کچھ شیشیاں کروں گا۔"
 "نہیں! میں یہ نہ کر سکتا ہوں۔"
 "لیکن اس کوڑھلا کو رات سے ہٹانا ہی پڑے گا۔"
 "میرے گھر میں نہیں۔"
 "کیا آج تک ایسا بھی ہوا ہے کہ سنگ نے کہا۔
 "نہیں؟" سنگ نے سوالیہ انداز میں کہا۔
 ۵۶
 فریدی نے کئی سڑک کے کنارے کھڑی کر دی۔ رات
 کے گیارہ بج چکے تھے۔ اس نے ادھر ادھر نظر ڈالی۔ خال خال
 ڈکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے فریدی کے
 ذہن میں ایک سے زیادہ مسائل ہوں۔
 وہ ایک دو طرفہ سڑک کی دکان میں گھسا۔ فون کارڈ لیو
 اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کیے۔
 "ہیلو! اس نے ملو تو میں میں کہہ لوں۔۔۔ کر۔۔۔
 "ہاں۔۔۔ میں بول رہا ہوں! اسے۔۔۔ کے۔۔۔ کیا خبر ہے؟"
 "مگرانی چور رہی ہے۔ لیکن ایک نیا واقعہ کچھ نامعلوم
 آدمی اس عمارت سے ایک لمبی کوڑھلا لے گیا۔ اس نے
 وٹو نے ان کا مذاق کیا۔ وہ لوگ اس لڑکی کو کچھ نہیں
 کے بڑے لاش کے لئے گئے ہیں۔ وہ لوگ وہیں موجود ہیں۔
 بہت اچھے آدمی لوگ بہتر کام کر رہے ہیں۔ بہت
 خوش ہیں۔ وہ تو کوڑھلا رہنا چاہتے۔"
 فریدی نے سانس لیو کر کال کے پیسے ادا کیے اور باہر
 نکل آیا۔
 وہ سوچ رہا تھا کہ اب عید کو کوڑھلا کوشی سے ہالینا
 چاہیے لیکن لڑکی اٹھانے والے کون ہو سکتے ہیں؟ کیا سنگ نے
 کی کوئی سادہ شش؟ پھر ایک نام کے ان کے گھر کو کا خیال آ
 گیا۔ یہیں یہ لاش رکھ کر تھیں؟ اگر ایسا ہے تب تو ان کی کیا

کا پتا چل گیا۔ بیک باؤس اس نے کئی اسٹائٹ کی اور سے
 ایکسٹریکٹ کر کے اسے ہٹا دیا۔
 ۵۷
 عید کے فرشتوں کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ فریدی
 نے اس کے یہاں آنے کے بعد سے کوشش کی تھی کہ شروخ کرا
 دے۔
 عید کو کوڑھلا کے درمیان میں ڈال دیا تھا جیسے ہی
 وہ سنگ نے کو ساتھ لے کر سے سے نکلا۔ عید کی الجھن اور
 بڑھ چکی تھی۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ لوگوں سے جوڑ کر کسی کے متعلق
 کوئی مشورہ کریں گے۔
 عید ایک طرح سے ان کے ایک دراز میں شریک ہو گیا
 تھا جسے وہ کسی قیمت پر بھی برداشت نہ کر سکتے تھے اور اسے
 اس کا علم بھی تھا کہ سنگ نے کتنا خطرناک آدمی ہے۔ اسے
 ایک رات اس کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ اس نے کئی صفائی اور
 کتنے اطمینان سے سہرا ایک آدمی کو قتل کر کے اس کی لاش غائب
 کر دی تھی۔
 بہر حال عید کو کوڑھلا نے میں عیسوں کر رہا تھا۔ اسے
 یقین تھا کہ اس کی یہ رات کم از کم تو میری جیت کے نیچے خیریت
 سے گزرنی چاہیے۔ اس لیے اس نے تہ تیغ کر لیا کہ وہ سادہ
 رات جاگتا ہے۔
 وہ اسی کمرے میں بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد سنگ ہی اور
 وہ تو کھانا کھا رہا تھا۔ کمرے کے کونے پر اس کی گھر میں کونے
 "اوہ! تم سوتے نہیں ابھی تک؟" وہ تو میرے عید سے کہا۔
 "واقعی آپ ایک بڑا سارا باپ ہیں؟" عید نے طنز بے نیچے
 میں کہا۔ لیکن میں سارہ کو کوئی جنگی سر نہیں جانتا کہ اسے
 اس طرح شکار پہلے نہ دے۔
 "کوئی کھانا کھاؤ؟" اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ سنگ نے
 بولا۔ "میں صبح آپ ہی انہیں کھانا کھا لے کر لیں گے کہ اس کی
 لاش وہیں غوری ہے۔"
 "میں پہلے ہی کھانا کھا رہا ہوں۔" عید نے کہا۔
 "میرا فیصلہ اٹل ہے۔ وہ تو کھانا کھا لے۔ میرے چند حصول
 ہیں انہی پر کا بند ہوں۔"
 لیکن میں اسے بے اصولی سمجھتا تھا۔ وہ نے عید نے کہا۔
 "آزاد پولیس کو اطلاع دیوں میں دینا چاہتے؟"
 "تھوڑی دیر نہیں کہ اپنے نئی معاملات دوسروں کے سامنے

دروازہ کھولنے کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں
 تھا کہ اس کو نکال کر وہ تالا ہی دروازے سے الگ کر دیا جائے۔
 ہر دوسرا لمحہ سستی خیز تھا۔

اجانک دونوں پٹ آہستگی سے کھلے۔ حمید لیکہ طرف
 بھاگ گیا۔ کوئی آدمی اندر داخل ہوا اور اس نے اعلین سے
 سوچ لیا کہ کیا جیسے اسے اپنی کامیابی کا پورا پورا یقین ہو۔
 کمرے میں درختی چوڑھی آسنے والا رنگ تھی تھا۔ وہ حمید
 کا ہنسنگ خالی دیکھ کر یہ تھا شاد و دانس کے کی طرف مڑا۔
 حمید کے دیواروں کی نال اس کے سینے کی طرف ابھی ہوئی
 تھی لیکن کیا یہ وہی سنگ تھی تھا۔ ہرگز نہیں اس وقت
 اس کا چہرہ وہ انتہائی خوفناک نظر آ رہا تھا اور وہ اس طرح حمید
 کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جیسے کوئی سانپ اپنے تھکار کو اپنی
 آنکھوں سے خود کو کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

تبیہ زمین پر جت پڑا تھا اور سنگ ہی اس کے اوپر تھا
یہ نے اس کی بیٹھ پر بھروسے مارنے شروع کر دیے سنگ بھی
اپنا پایاں ہاتھ اس کی بیٹھ کے نیچے سے نکال کر گولن پر
دھواور چھید کر دیا محسوس ہوا جیسے وہ اب بھی زمین
سے لٹک رہا تھا۔ سنگ بھی اس کا گھونٹ بٹھا۔

ایمانک بدحواسی میں تھیں کہ دو انگلیاں لگ کر تو کی ایک
دووں ہتھوں میں جاھیں اور اس سائے ہاتھ کو
لنگ کے ساتھ اوپر اٹھالیا۔ اس کے ناعین لنگ ہی ایک
اندرونی ہڈی سے ٹکرائے اور لنگ ہی کی گرفت و دھکی
تھی۔ حمید نے اب اس کی ناک پر ایک مختصر سید کر لیا کہ
وٹنے سے ٹکی کی کڑھ لگی۔ دوسرے ٹے میں حمید اس کے
مست نکل چکا تھا۔ لنگ ہی پھر بیٹھا۔ حمید اس کی جھت
دروازے کے باہر تھا۔ جیسے ہی حمید کیا وٹنے میں پہنچا،
تہی کے جھڑ جھڑ کا شور مچا دیا۔ چاکل بندھا۔
ایک بار پھر انھیں میں پڑ گیا۔ لنگ ہی برابر زور و جھڑ

کافرو لگاٹے جارہا تھا۔ نوکر بھی جاگ پڑے اور کیا فوڈز اسکا پھانگ باہر سے پٹیا جانے لگا۔

اور پھر حمد کی یادداشت نے اس کو کھلا ہٹ کے عالم
 میں جاس کا ساتھ دیا۔ اُس کے کھانڈ کی دیوانہ وار دُعا ہو
 جاتی یا کاجو بانیں باز دوسرے گروں کے سامنے کتاب در
 قدام جھار دیں میں گھست جا گیا۔ گویا وہ کچا کھلا
 جابجا کھتا پانچ چھ آدمی باہر سے کہہ کر اندر میں گھستے شاید یہ
 دہریہ سرکاری آدمی تھے جو کوئی کی گنجائی کرست تھے۔

دوسری صبح حمید ایسی گردن کی مالش کر رہا تھا اور فریاد
 تو بھیل ہی رات سے گھر سے غائب تھا۔ حمید کی گردن کی مالش
 میں تناؤ تھا اور ذہن میں سنگ ہی کا نمونہ چہرہ۔ وہ اندر
 ہی اندر کھول رہا تھا اور اس سے تہیہ کر لیا تھا کہ مریض سنبھل
 دے دیے ورنہ اس کی چھٹانک پھلکا ہوا سیہ سنگ ہی کی
 مہر پر ہی کیا تار دے گا۔

اس کی طبیعت اسی بنا پر بھی کہ وہ لوگ اس سے
تو جو بیسیاں طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور نہ جکڑے ہی کہ پروا
دوسرے لفظوں میں وہ حد سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔
یاد رہے سوال اس کے ذہن میں سر اٹھانے کا یا اس کا سنجی
پیشہ حمید کی حیثیت میں بھی اس کے ساتھ ہی براؤ کرتا؟
حمید سوچتا ہوا اس کی گردن میں ہاتھ مڑی رہی۔
یہ اس ہاتھ کرنے والا تو کچھ تھکا کٹا یا گردن کی گولڈنگ
رہی تھی سبب لہذا ہاتھ کو پچھنے کے بعد اس نے ایک ہاتھ
کے سر پر رکھا اور دوسرا ہاتھ ٹھڈی کے نیچے رکھ کر جو بیسیاں
سے قریب کی آنکھوں کے سامنے موندے موندے سترار سے

"اسیہ یہ کیا کیا؟" وہ حلق چھڑا کر چیخا۔
 لیکن تو گھبرنے سے کہی پروا نہ کی اور میری طرف گونجی تھک رہی۔
 "اے خدا تجھے غارت کرے" "تمہیں دے تجھے کھراؤں
 سر پہ دو ہتھ رسید کیا اور تو کو لوٹا کر کچھ بہت گیا۔
 "سرمکار! تو بچھریسے کرنا؟" اس نے جبراً اٹھنے لگا کر کہا۔
 "دروازہ تیا سالی کو" "تمہیں گردن پہلا تا سارہ اکل رہ گیا۔
 "ماٹھے سرمکار! ایسے ہی تھیک ہوئی ہے۔"
 "تو بلی بھاگ! اسانے نے اور ستیاناس کر دیا۔"
 "آہ لو۔۔۔"

’ابے بھاگ‘ - حمید اُسے مارنے دوڑا اور اس نے
 گانگ کر ہی جان بچا لی۔

[illegible]

فریدی نے اسے تو نکل جانے دیا مگر جہاں ٹھٹ میں حمید
گردانہ لوبہ تالی۔

۱۰ اے مراد! حمید ولد سے کیا ملے۔
 وہ بھی تیرے خانہ بنادیا مگر کوئی
 "گردن چھوٹے"۔ اس سال کا سنا ہے گردش میں لگے۔
 "لیکن تم یہاں کیسے؟" فرید نے اس کی گردن چھوٹ
 کہا۔

”ہاں! بے شک غلطی ہوئی“ حمید جل کر لپٹا۔ مجھے
 دل دھت کر میں ہو ناچا بیٹھا۔
 ”لو تو غصے پر دل کی کسی درجہ کوئی ہے کیا کیا تھی؟“
 ”پر دل!“ حمید نے محبت سے کہا۔ ”کیسی اور دلور ہو؟“
 ”یہی کہ اس کا ایک مہمان اس کے دس ہزار کے جاہل پر
 اکتا گیا۔“

چند تصویریں دیکھ کر گنگ بیچی کی چالکی پریشانش
 ناکارہ پھر اس نے ساری داستانیں دہرائے جو نے کہا۔
 "جو جو کارنامہ اس نے ضرور کیا ہے، جس میں نہیں سمجھتا
 کہ وہ رپورٹ درج کرنے کی بھی حرات کرے گا۔"

”بلا کا عیار ہے کم بخت۔ فریدی بڑھاپا۔ خیر۔ اب
سب جلد ہی ختم ہو جانے کی توقع ہے۔“
”کیوں؟ کیا کوئی نیا سلسلہ؟“

"کیا؟"
 "جی ہاں، ایک ایسے آدمی کی تلاش ہے جو بیک کلائن ہو۔"
 "کیا مطلب؟" حمید نے حیرت سے کہا۔
 "لیکن خریدنے کے سوت اختیار کر لیا۔"

★

ارے حرمِ زلزلے تو نے تو میرا بڑا غرق کر دیا، لو تھر
نے اپنی ران پر ہاتھ مار کر سنگِ ہی سے کہا جو آدھے گھینٹے میں
اسکالچ کی آدھی بوتل صاف کر چکا تھا۔

”جیس کیپٹن“ سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ ”میں نے فی الحال تمہارے بیڑے میں گدے جوت دیے ہیں جو اُسے خشکی میں کھینچ رہے ہیں۔“

تیری بدولت میں نے اپنے تین بہترین ساتھی کھوئے۔
 بیٹی سے ہاتھ دھوئے، اب تو نے رات کو ایک نئی مصیبت
 بول لی اور اُسے بھی نہ مار سکا۔ زندہ نکل جانے دیا۔ دیکھنا
 ہے اب کون سی مصیبت آتی ہے۔“

”کیٹین!“ سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ مجھے کوئی ناٹکی آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ اس نے خطرے کی بوٹیوں پر ہونکھ لی تھی اور پوری طرح تیار تھا۔“

”اجھا ہوا تیرا گردن تو جی ہوئی۔“
 ”مگر سنگ تھی اسے زندہ نہ چھوڑے گا۔“
 ”جہنم میں جاؤ۔ میں سارہ کے لیے کراؤں۔“

”فی الحال صبر کرو۔“
لو تعمر بڑی طرح جھلا گیا مگر وہ بے بس تھا کہ... سنگ ہی
کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ اس کے ہاتھوں میں کی ناک بن کر

دیا گیا تھا۔
 "تو نے مجھے کچھ بتیلی بنا لیا ہے اور اگر تو نے اس پٹھان
 درو بارہ نہ نکلوا دیا ہوتا تو سارے محفوظ رہتی۔"

”اوہو! کیا کر لیتا وہ وحشی؟“
 ”میں کچھ نہیں جانتا۔ سارہ مجھے آج ہی کپڑے ملنے چاہیے۔“
 ”بے صبری! اچھی چیز نہیں۔“

”میں ابھی پولیس کو سارے واقعات کی اطلاع دیتا ہوں۔“
 ”تم ایسا نہیں کر سکتے۔“ سنگ سہی سانی کی طرح چبھنکلا۔
 ”تو تھریک بیک اُسے خوف زدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔“

”الطیوہ کی چوٹی یاد ہے نامتیس نہ سنگ ہی بولا مجھے تم
سندھ سرسوتر درندہ پانچ سو سال بعد وہاں لوگ تہمدی لاش
ریادت کے لیے آتے۔“

لوہر پھر نہ بولا۔
 سنگ تہی نے پھر کہا : تہہ داری بعض چیزیں مجھے بے حد
 پسند ہیں ورنہ اس چیز کا لٹک میں تنہا ہوتا۔ اب بھی خبر دقت

چاہوں الگ ہو سکتا ہوں۔ پولیس میرا کچھ نہیں کر سکے گی مگر تمہارا دانا ہنگال نیلی کپڑے سے ضرور سیاہی مائل لگا لو تو۔
اس نے دوسرا گلاس بریز کر کے لوتھر کی طرف پھینک دیا
ہوئے کہانے تم نے بہت دیر سے ہیں بی بی اسی لیے یہی کہانی
باتیں کر رہے ہو۔

۵۵

فریدی نے دواؤں کا ایک انڈیا جیڈاس کی کارڈ میں
کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ جب فریدی ساری تیاریاں مکمل
کر چکا تو حمید نے کہا۔
”کچھ تو ایک ٹوکری میں دو چار سانپ بھی رکھ لیتے جائیں۔
”یکوں! سانپ کیا ہوں گے؟“
”واہ... اوسے میں سانپ دیکھ کر گٹھ اٹھا کر دوں گا۔
اور آپ دوا پیئیں گے۔ دو چار دواؤں کی ضرورت ہو تو وہ بھی
ہو سکتا کر لیتے جائیں۔“

”بھو اس مت کرو۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔“
تھوڑی دیر بعد وہ دواؤں باہر نکلے۔ فریدی کے ایک
ہاتھ میں دواؤں کا ایک انڈیا تھا اور دوسرے میں اسے تھوڑے سا
ان دواؤں نے ڈاکٹروں کے لیے بھر پور فائدہ پہنچا دیا تھا۔
”آخرا کیا ہوئے جلدی ہے؟“ حمید نے کیڑی میں
بیٹھے وقت سوال کیا۔
”دیکھتے جاؤ۔“

”میں تنگ آ گیا ہوں دیکھتے دیکھتے۔“
کیڑی جل پڑی۔ بندہ یا ابیس منٹ بعد فریدی نے
ایک جگہ کیڑی روک دی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ایلمینٹس
گاڑی کھڑی تھی۔ حمید نے ڈرائیور کی سیٹ پر اس وقت
کو بیٹھ دیکھا۔ گاڑی کے پچھلے سیٹ میں ایک خوب صورت سی
نرس بیٹھی تھی۔

”میں ایں دیکھتے ہی گاڑی سے اتر آیا۔
”بھلا ہے؟“ فریدی نے پسندیدگی کے اظہار میں
پوچھا کہ اس سے کہا تاہم کیڑی نے کروا پس جاؤ۔
”میں کیڑی میں بیٹھ گیا۔ فریدی اور حمید ایلمینٹس
گاڑی میں آ بیٹھے۔“

”جولو اسٹار ٹورڈ فریدی نے حمید سے کہا۔
”ابھی کیا ہے؟“ اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔
”مڑے تنگ ڈھونڈ پڑیں گے۔“

پھر اس نے روشن دھن سے اس نرس پر نظر ڈالی، جو
گاڑی کے پچھلے حصے میں بیٹھی تھی اور فریدی کی طرف جھک کر
آہستہ سے کہا۔ ”تو زور دار۔“
”بکومت فریدی جھنبھٹایا۔
”دیر دیل... لور ہارڈ شپ۔“ حمید نے غلامی لہائی
کر دی۔ فریدی اسے راستوں کے متعلق ہدایات دیتا رہا آخر اس
نے کنگس لین کی ایک عمارت کے سامنے گاڑی رکوادی۔
فریدی نیچے اتر کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اچانک ایک آدمی
اس کے سامنے آکر اٹھرا۔ حمید نے اسے پہچانا۔ وہ بھی اسی
کے بھائی کا ایک آدمی تھا۔

”سب ٹھیک ہے؟“ فریدی نے اس سے پوچھا۔
”جی ہاں! سب ٹھیک ہے۔“
”وہ دواؤں آدمی؟“
”وہ بھی موجود ہیں۔ میں ابھی لایا۔“
”وہیں لانا... اچھا... تو اب ہم جاتے ہیں۔“
فریدی نے حمید کو اپنے ساتھ لے کر اشارہ کیا۔ نرس
نے اپنے دستاں اٹھائے اور وہ بھی ان کے ساتھ چلی۔
فریدی نے برآمدے میں پہنچ کر کھڑکی کاٹیں دیالیا۔ اندر کسی دھور
انتادہ مقام پر گھنٹی کی بجلی سی آواز سنائی دی۔
تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ ان کے سامنے ایک پست
قد اور بھاری بھر کم سفید آدمی کھڑا تھا۔ اس نے انہیں حیرت
سے دیکھا۔

”معاذ کیجیے گا۔“ فریدی اگے بڑھ کر بولا۔ ”میں اطلاع
ملی ہے کہ یہاں کوئی پلیگ کا مریض ہے؟“
”غلط ہے۔“ پست قد غریبی نے کہا۔ ”یہاں کوئی ایسا
مریض نہیں۔“
”یہ آپ کے پڑوسیوں کی دی ہوئی اطلاع ہے؟“
”پڑوسی بھواس کو بتاتے ہیں۔“ غریبی نے ہلکا کر بولا۔ ”اسنے
میں دواؤں لگا کر ان کے برآمدے میں داخل ہوئے۔
”ہم بھواس کرتے ہیں؟“ ان میں سے ایک نے غریبی کی آواز
... میں بولا۔ ”کیا ہم چلی رات کو ایک لور ہارڈ میں یہاں
نہیں لائے؟“
”وہ پلیگ کا مریض نہیں۔“ غریبی نے انہیں نکال کر
کہا۔ ”اس پر صرف بے ہوشی کے دورے پڑتے ہیں۔“
”واہ! فریدی کٹ وائٹنگ کیجیے۔“ غریبی نے بھی پلیگ

کی ایک علامت ہے۔“
”میں کہتا ہوں وہ پلیگ کا مریض نہیں ہے۔“
”غریبی کو بات نہیں سمجھ اسے دیکھ کر اطمینان کر لیں گے۔
”نہیں آپ اسے نہیں دیکھ سکیں گے۔“
”آخر کیوں؟“
”ہمارے مرضی۔“

”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں پورٹ
ملی ہے اور ہم اپنا اطمینان کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کوئی کلاؤٹ
ڈانس کرے تو گھبرا جائیں پولیس طلب کرنی پڑے گی۔“
”میں کہتا ہوں نا۔“
”جس آپ کا کہنا ہے مطلق نہیں کر سکتا۔“ فریدی بولا۔
”کافی دیر تک جھجک جھجک ہوئی رہی۔“ حمارت سے دو
آدمی اور نکل آئے۔ فریدی اسی پر اڑا کر مریض کو دیکھنے
بہرہ پولیس نہیں جاتے گا۔

”چلیے دیکھ لیجیے۔“ ان میں سے ایک نے غریبی کی آواز
میں کہا۔ ”جانتے ہیں کیا ملک ہے جہاں لوگ دوسروں کا
وقت اس طرح برا کرتے ہیں۔“
”وہ انہیں ایک کمرے میں لائے جہاں ایک لور ہارڈ آدمی
پلیگ پر حیرت پڑا ہے۔“ سانس لے رہا تھا اس کا ہم
ایک کچے سے کھلے سے ڈھکا ہوا تھا۔
”حمید کی طرح میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر معاملہ کیا ہے۔“
فریدی کو پلیگ کے مریض سے کیا سروکار... اور یہ لوگ کون ہیں؟
”یہ وہ مریض۔“ پست قد آدمی بولا۔ ”دیکھئے۔“
”بہت زیادہ شغول ہیں۔“
”وہ تینوں کمرے سے چلے گئے۔ حمید نے فریدی کے
ہونٹوں پر غریبی سی مسکراہٹ دیکھی۔
”تم بھی جاؤ۔“ فریدی نرس کی طرف مڑ کر بولا۔ ”ہم ابھی
آتے ہیں۔“

نرس چلی گئی۔
”آخر یہ ہے کیا بلا؟“ حمید نے مریض کی طرف اشارہ
کر کے کہا۔
”نلا۔“ فریدی مسکرایا۔ ”میں فرزند! یہ بلا نہیں۔“
فریدی نے آگے بڑھ کر مریض پر سے کپڑے ہٹا
دیا اور جیسے ہی حمید کی نظر اس کے سینے پر پڑی وہ بوکھلا کر
اچھل پڑا۔

”ہائیں!“ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ یہ تو اپنی
جنس تبدیل کر رہا ہے۔“
پھر وہ اس طرح اپنی کھوپڑی پہلنے لگا جیسے گوی
پڑھ گئی ہو۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ اس نے مریض کی پلکیں اٹھا
کر پتیلیاں دیکھیں۔ کچھ دیر مریض پر ہاتھ رکھ رہا پھر دواؤں
کا ایک کھل کر اس میں سے ہائیڈروڈیک سیرجی نکالی اور
انکس دینے کی تیاریاں کرنے لگا۔
انکس دینے کے ٹھیک چندہ منٹ بعد مریض کو ہوش
آ گیا اور اس نے گھبراہٹ میں کہا۔ ”میں کہاں ہوں؟“
حمید ایک بار پھر بوکھلا گیا۔ بالکل نسوانی آواز تھی۔
”کیا جنس بالکل ہی بدل گئی؟“ اس نے آہستہ سے
فریدی سے پوچھا۔

”بالکل اب میں اس کے ساتھ تمہاری شادی کروں گا
لیکن دواؤں کے سوا تو دوسرے کچھ نہیں۔“
”اچانک مریض نے اپنے ہمارے پر ہاتھ پھر اور اس
کے منہ سے ایک کبھی ہوئی سی چیخ نکلی۔ وہ پھر بے ہوش ہو گیا۔
”دواؤں ہستانی ہی پڑے گی۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔
”عورت ہونے کے بعد وہ اس سے خوف کھاتا ہے۔“
پھر تھوڑی ہی دیر بعد فریدی کے ایک کھولنے سے عمل
کی پتا پر مریض کا چہرہ بالکل صاف ہو گیا۔
”سلو“ حمید کے منہ سے کبھی سی چیخ نکلی اور پھر اس
نے کہا۔ ”واہ! میں سمجھ گیا۔ وہ تینوں کہاں گئے؟“
”شاید وہ اس وقت کہیں دھور پہنچ چکے ہوں گے۔“
فریدی نے کہا۔
”اور آپ نے انہیں نکل جانے دیا؟“
”ہر دواؤں کرو۔“ ان کے گرد میرا جال بہت مضبوط ہو
چکا ہے۔“

۵۶

پھر آرام کر سی پڑا اور کچھ دیر بعد اسے سنگ تپی دیے
پاؤں کمرے میں داخل ہوا۔ جنوں کے بل چلتا ہوا وہ آرام
کری کے پچھلے کمرے میں آکر اس کا کمرے میں آکر اسے الٹ دیا۔ پھر منہ
کے بل زمین پر گر کر آرام کر سی اس کے اوپر اونڈھ گئی۔
لوتھر نے بوکھلا کر چیخ ماری اور کمرے کے نیچے سے نکلیا گیا
سنگ تپی نے پیر سے کمرے دوسری طرف اچھال دی اور لوتھر پر
ٹوٹ پڑا۔

لوہتر بھی اپنے ہاتھ پاؤں کا ادھی تھالیں وہ قریب قریب پہنچے ہر جگہ تھا کھونٹو گنگ تھی نے اس کی گھونٹا گھونٹیں میں بھولتی تھی اور دھڑا دھڑا کر کے مڑ پڑنے لگا رہا تھا۔

”اوسے... سوور... کے بچے... یہ کیا کر رہا ہے؟“

لوہتر چلا۔
”تھوڑا بچہ آج تمہیں زندہ چھوڑے گا۔ سنگ تھی نے نہایت اطمینان سے کہا اور اس کے چہرے پر کچھ مارتا رہا۔ لوہتر کے ہونٹ پھٹ گئے اور ان سے خون بہنے لگا۔
”نہتوں سے بھی خون جاری تھا۔ اس نے پھر اس انداز میں اس کی گردن بھڑکائی تھی کہ وہ اپنے سلق سے آواز نکال نہیں سکتا تھا۔“

جب لوہتر بے دم ہو گیا تو سنگ تھی نے اسے چھوڑ دیا۔ لوہتر زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس کی ٹانگیں ضرور جھپک رہی تھیں لیکن محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔

سنگ تھی نے اسے گریبان سے پکڑ لیا تھا اور ایک دوسری کرسی پر ڈال دیا۔ شاید اس وقت کوئی نوکر بھی کوئی میں موجود نہیں تھا۔ مگر سنگ تھی نے انھیں پیسے ہی کالوں کے بہانے باہر بھیج دیا ہو۔

لوہتر آرام کرسی میں پڑا لیکن اس سانس لیتا رہا۔ اس کی آنکھیں اب بھی کھلی ہوئی تھیں اور وہ خوف زدہ نظروں سے سنگ تھی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ سنگ تھی نے الماری کھول کر اس کا سچ کی بوتل نکالی اور اسے میز پر پکڑے آیا۔ یہ سب کچھ اس نے اتنے اطمینان سے کیا جیسے وہ ابھی اپنے لطفوں سے لوہتر کا دل بہلاتا رہا ہو۔

شراب کے گلاس سے اس نے ایک چمکی لی اور مکرار لوہتر کی طرف دیکھنے لگا۔

”ہوں؟“ اس نے گلاس کو میز پر زور سے رکھتے ہوئے کہا۔ ”اب بتاؤ تم آخر سنگ تھی کے ساتھ کیسے کر رہی ہو؟“
”میں نے کیا کیا ہے؟“ لوہتر اپنے ہونٹوں کا خون پونچتے ہوئے بولا۔

”جو کس کروگے تو بہلا رہا ہے۔ کانوں تک جیر دوں گا۔“
”بتاؤ نا! میں نے کیا کیا ہے؟“ لوہتر تکی ہوئی آواز

میں بولا۔

”میکل کون تھا؟“
”میں نہیں جانتا۔ میں اس سے پہلی بار ملا تھا۔ سنگ تھی اٹھ کر اس کے پاس اس کھڑا ہوا۔
”تم نہیں جانتے؟“
”نہیں! میں نے پہلے کبھی اسے نہیں دیکھا۔“

اب تک سنگ تھی نے اس کے دماغی ہونٹوں پر لٹائی جا رہا تھا کہ وہ کیا کر رہا۔
”اوسے تجھے کیا ہو گیا ہے سوور کے بچے؟“ لوہتر اپنے ہونٹوں پر ہاتھ کر رہا۔

”سوور کے بچے کو فریدی اور قید ہو گیا ہے۔ سنگ تھی نے بائیں ہاتھ سے شراب کا گھونٹ لے کر کہا۔ ”میکل کیسٹن حمید تھا۔“
”کیا؟“ لوہتر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

سنگ تھی نے سوورے والی نظروں سے لوہتر کے چہرے کا جائزہ لیا اور آہستہ سے بولا۔
”تو تم اس سادش میں شریک نہیں تھے؟“

”میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔“
”سارہ کو تم بہت اچھا جانتے ہو۔ اس کی یاد اسی کے ثروت کے لیے مجھ پر گولیاں برساتی ضرور مگر وہ نہیں لیکن اب جاؤ فریدی کے کہاں وہ رہ رہی ہے؟“
”کوئی خبر نہیں ہے۔“

”کیا بچتے ہو؟“ وہ تو ان لوگوں کے پاس ہے آج صبح ایک لڑکا ایک خط بھی ان لوگوں کے پاس سے لایا ہے جس میں انھوں نے دھمکی دی ہے کہ اگر تم نے ان کا مطالبہ پورا نہ کیا تو وہ سارہ کو مار ڈالیں گے۔“

”بہت اچھے!“ سنگ تھی منہ پرانے ذرا دیکھوں تو وہ خط۔“

لوہتر نے جیب سے ایک لٹاؤ نکال کر سنگ تھی کی طرف بڑھا دیا۔ سنگ تھی نے خط پڑھا۔ چند لمحے پر اس کا منہ تپتا رہا پھر بولا۔ ”یہ کھلی ہوئی ہوا ہے۔ تمہاری لڑکی کو فریدی نے اٹھوا لیا تھا۔ جاؤ جاؤ دیکھو فریدی اور حمید پیش کر رہے ہیں۔ اگر وہ نہیں ان کے گھر پر ملے تو میری گردن اتار دینا۔“
”مجھے اگر تم کو فریدی اس سے رکام کرنا چاہیے ہو۔ اچھا بھی ہے اگر دس پانچ پولیس آفیسر تمہارے داماد بن گئے تو

تم ان امریکیوں سے بچے نہ رہو گے۔“
”اگر ایسا ہے تو میں ان سب کو میٹھی نیند سلا دوں گا۔“ لوہتر مسکایا۔
”جھج کو بڑھایا۔“
”کیا کبھی میری مہلتا کی ہوائی اطلاعات غلط بھی نکلی ہیں؟“

سنگ تھی نے طنز سے ہنسی کے ساتھ کہا۔ ”جلو میٹھو زیادہ تاؤ نہ کھاؤ۔“

”چند ہر حرام زادے!“ لوہتر نے چرخ کر سنگ تھی کے سر پر دو ہتھ مارا۔

سنگ تھی چپ چاپ پچھے ہٹ گیا۔ وہ سنگ تھی جس نے لوہتر کو کڑی طرح پٹا تھا۔ لوہتر کے ہاتھ سے مار کھا کر بھی مسکرا رہا تھا۔ اس نے بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔ ”تم بڑی اچھی ایکٹنگ کر رہے ہو سوور لوہتر تم نے سنگ تھی سے پیچھا چھڑانے کے لیے اپنی لڑکی کو کچھ دی خود ہی سناؤ شش کر کے اسے اٹھوا دیا تاکہ سنگ تھی وہ کھا کھا کر لیا جائے۔“
”چپ ہو گئے؟“ لوہتر غصا کر بولا۔ اس نے میز کے دائرے سے ایک رولہ لورہ نکالا۔ اس کے چہرے پر دیکھے۔ وہ سب بھرے ہوئے تھے پھر اس نے سنگ تھی سے کہا۔ ”میں ان میں سے ایک کو بھی زندہ چھوڑوں گا۔“

”خوب! مگر شاید ایک رولہ کافی ہو۔ وہاں کوئی ہیں اور سب شراب کے نشے میں دھت اور سارہ۔۔۔“
”خاموش! لوہتر غصا۔ وہ اس وقت ایک خوفی درزہ محسوس ہو رہا تھا۔

”اسے بھی لیٹے جاؤ شاید ضرورت پڑے۔“ سنگ تھی نے اپنی جیب سے ایک دوسرا رولہ نکال کر اس کی طرف بڑھانے ہوئے کہا۔ ”حالا میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم ابھی گھوم پھر کر واپس آ جاؤ گے اور مجھے اطلاع دو گے کہ فریدی کی کوئی خالی بری ہے۔“

لوہتر نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے رولہ لورہ لیا اور قریب قریب دوڑتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

سنگ تھی ایک ہی سانس میں گلاس کی بقیہ شراب پی لیا پھر اس نے آئین سے اپنے ہونٹ خشک کیے اور بڑی تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر اسی کمرے میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا گیس سلینڈر تھا۔ وہ اسی اپنی الماری کے سامنے رک گیا جس میں حرمت کے استراج سے کھٹے دلائل

پڑا ہوا تھا۔ یہ وہی الماری تھی جسے کھولنے سے قبل لوہتر کمرے کا دروازہ بند کرنا نہیں چھوڑا تھا۔

سنگ تھی نے گیس سلینڈر کے سرے پر گے ہوئے نوزل کاٹین دیا اور اس میں سے نیلے رنگ کی ایک باریک سی آتشیں لکیر نکلتی تھی۔ دوسرے لمحے میں وہ آتشیں لکیر کھٹے سے پرتیزی سے اڑھار دھڑک رہی تھی۔

دیکھتے دیکھتے قتل الماری سے علاوہ ہر کونہ پر گولیاں لگ رہی تھیں الماری کھول کر اس میں سے چپڑے کا ایک تھیلہ نکالا اور اسے بلن میں دبا کر کمرے سے نکل گیا۔

لوہتر غصے میں بھرا ہوا لڑا لڑا ہو کر ہاتھ اس نے اپنا چہرہ بھی صاف نہیں کیا تھا۔ ہونٹوں پر خون جم کر سیاہی داخل ہو چکا تھا۔ اس کے ذہن میں فریدی اور حمید کی شکلیں تھیں اس کے ذوقی تجربے کی بنا پر سنگ تھی نے آج تک اسے کوئی غلط اطلاع نہیں دی تھی۔ اسے یہی یاد آ رہی تھی جیسے شاط آدی کو تھیل دے کر نکل گیا تھا تو کیا وہ کچھ کیٹلن حمید تھی تھا۔ اگر یہ بات تھی تو سارہ نے اسے یہ وہ لست دعوت دی تھی۔ آخر کیوں؟

پھر ایک بار اس کے ہونٹوں پر گولیاں۔ اگر اسٹینرنگ کاٹین نہ ہوتا تو سارہ نے اسے والے ٹرک سے نکل کر اس کی کار سے پرستے آڑے جوتے۔ غصے کی جگہ خون نے لے لی اور اس جذباتی تبدیلی کی بنا پر وہ ابھی طرح ہوش میں آ گیا اور اسے احساس ہوا کہ وہ کچھ موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ فریدی کی کوئی میں داخل ہو کر اس پر تل کر نا اس کا کام نہیں تھا اور پھر اس کا انجام؟ اب اسے سنگ تھی کے بیان پر بھی شہرہ چرنے لگا تھا۔ فریدی سے زیادہ نیک نام آفیسر شہر بھر میں اور کوئی نہیں تھا۔ کفر قہم کا اصول پرست آدمی۔

”ادہ! لوہتر آہستہ سے بڑھتا رہا۔
اسے یاد آ کر سنگ تھی اس دوران میں کئی بار اس بات کی کوشش کر چکا ہے کہ اسے کسی طرح تھوڑی دیر کے لیے کوئی سے شہادے۔ ہمیں اس نے الماری پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے یہ سب کچھ نہ کیا ہو؟

اب تک اس کی نظر کار کے عقب نمائیے پر پڑی اور وہ چونک پڑا۔ غصے میں اسے یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ اس کا چہرہ

اس قابل نہیں کہ وہ صفائی کے بغیر یا ہر نکل کے اس کا بھروسہ
 بڑھ گئی۔ اگر وہ گھر واپس جاتا تو سنگ ہی حوروں کی ہر نماز
 کو دیتا۔ خریداری کے یہاں جاتے کے پہلے میں تو وہ پہلے ہی
 بچکی ہٹ غموس کر کے دکھاتا اسے ایسا غموس ہونے لگا
 جیسے اس کی کنپٹیوں کی گلیں ترش رہی ہوں۔ انہیں انہیں
 آخر اس نے اپنی کارایک میرنگ سنگ سیلون کے سامنے
 روک دی جس میں حمام بھی تھا۔ جیسے ہی سیلون میں داخل
 ہوا لوگوں کی تنقیدی نظریں اس کی طرف اٹھنے لگیں۔
 "حام!" تو پھر نے بھڑائی ہوئی آواز میں ایک آدمی سے
 کہا: "جلدی!"

اس آدمی نے حمام تک اس کی رہنمائی کی۔ تو پھر نے دروازہ
 بند کر لیا۔ اسے حمام میں داخل ہونے مشکل سے آدھا منٹ گزرا
 ہو گا کہ ایک سفید فام آدمی گھبرا ہوا سیلون میں گھس آیا۔
 کیا یہاں کوئی انگریز آیا ہے؟ اس نے سیلون کے
 ایک آدمی سے پوچھا۔
 "ہاں! حمام میں ہے۔" اس نے حمام کی طرف اشارہ
 کر کے کہا۔

"اوہ! وہ پاگل بھی ہے اور نشے میں بھی ہے۔" سفید
 فام حمام کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔
 اس نے دروازے کا سینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور وہ
 بھی اندر چلا گیا۔
 سیلون کے لوگ حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ
 رہے تھے۔ تین چار منٹ بعد وہ حمام سے نکل آیا۔ اس نے
 تو پھر کو سنبھال رکھا تھا جس کی آنکھیں بند تھیں لیکن چہرہ صاف
 ہو چکا تھا۔

"اوہ! کوئی میری مدد کرے۔ یہ بے ہوش ہو گیا ہے۔"
 اس نے دو ملائی آوازیں کہا اور دو تین آدمی تو پھر کو سنبھالتے
 کے لیے دوڑے۔ وہ اسے کار تک لے آئے اور اسے پچھلی
 سیٹ پر ڈال دیا گیا۔ سفید فام آدمی نے اگلی سیٹ پر بیٹھ کر
 اپنی جیب سے دس دس کے دو نوٹ نکالے اور انھیں موٹر
 توڑ کر سیلون کے آدمیوں کی طرف اچھال دیا۔
 کار تو پھر ہی تھی لیکن اسے ایک نامعلوم آدمی ڈرائیو
 کر رہا تھا اور تو پھر پچھلی سیٹ پر بے ہوش پڑا تھا۔

حیدر نے شکر اکر سڑک کی طرف دیکھا جو قحط کی وجہ

... سے پہلے سے ہی زلزلہ حسین نظر آنے لگی تھی۔
 "کیوں اسکیا ہے؟" سارہ نے ہنس کر کہا: "تم بہت
 شرمیلے ہو۔"
 "مجھے تمہاری دماغی یاد آ رہی ہے۔" شکر بچہ کو میرے
 بچرے نے غیب میں اس حال میں دیکھا تھا۔
 "کیوں مذاق اڑاتے ہو؟" سارہ نے حینیب کر کہا۔
 "وہ لوگ شاید ڈنڈی سے کوئی چیز حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میں
 نہیں جانتی کہ وہ کیا چیز ہے۔ اب وہ اب میں سوچتی ہوں کہ شاید
 ڈنڈی اسی کے ہمد سے انھوں نے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا۔"
 "تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہ چیز اسی گھر سے ہے؟"
 "انھوں نے جنوبی امریکہ سے واپسی کے بعد غم اور
 سے اس گھر سے میں ایک اپنی الماری دکھائی تھی جس میں اب
 بھی حوروں کے استراج سے کھٹے والا ایک تالا پڑا ہوا ہے۔
 وہ رات کو اسی گھر سے میں سوئے بھی ہیں۔ میں نے اکثر انھیں الماری
 کے تالے کو کھینچتے بھی دیکھا ہے۔ وہ دن میں کئی بار لیا کرتے
 ہیں۔ شاید اس کا اطمینان کرنے کے لیے کہیں وہ کھلا تو
 نہیں رہ گیا۔"

"کیا تم یہ سب کچھ فریدی صاحب کو بتا چکی ہو؟"
 "ہاں... میں نے سب کچھ بتا دیا ہے۔" سارہ نے کہا۔
 "لیکن میں اپنے گھر کب جاؤں گی۔ فریدی صاحب کہتے ہیں
 ابھی نہیں۔ میں ڈنڈی کے لیے بہت پریشان ہوں۔ مجھے
 سنگ ہی پر اعتماد نہیں۔ وہی سوڑ کا بچہ انھیں جنوبی امریکہ بھی
 لے گیا تھا۔"
 "سنگ ہی لے گیا تھا؟" حیدر نے حیرت سے پوچھا۔
 "ہاں وہی لے گیا تھا۔ جانے سے قبل ڈنڈی نے مجھ
 سے کہا تھا کہ انھیں اس سفر میں کافی فائدے کی صورت نظر
 آ رہی ہے۔"

"کیا تم بھی ساتھ گئی تھیں؟"
 "نہیں۔"
 "تو کب ہے۔" میں نے اکثر نادلوں میں پڑھا ہے کہ اس
 قسم کے ایڈورچروں میں ایک آدھ خوب صورت لڑکی ضرور ساتھ
 ہوتی ہے تاکہ اسے جنگلی لوگ پکڑ کر بھجوانے لکھانے لکھانے
 کریں اور عین موقع پر یہ وہی بچہ لکھلا کر دے جو وہ لڑکی
 اس میر کے کارنامے پر پہلے تو غصے میں تھی کہ میر بات عدہ
 عشق کرنے لگے۔"

74

سارہ جھلا کر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ فریدی آ گیا۔
 "منو حیدر ایک دلچسپ اطلاع۔" تو پھر کی کوئی اس وقت
 بالکل خالی ہے۔ تو پھر عجیب حالت میں کوشی سے نکلتا ہوا دیکھا
 گیا۔ اس کا چہرہ غم میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے جانے کے
 بعد سنگ ہی نکلا اور وہ بھی کسی طرف چلا گیا۔
 "ڈنڈی کے چہرے پر غم... سارہ حیرت اٹھی۔
 "ہاں... گجراؤ نہیں، ہم وہیں چل رہے ہیں؟" فریدی
 نے کہا: "میرے لیے یہ خبر انتہائی حیرت انگیز ہے کہ تو پھر
 نے کوئی کچھ کے باہر قدم نکالا ہے؟"
 "نقہ ڈی دیر بعد وہ تینوں تو پھر کی کوئی میں پہنچ گئے۔
 یہاں ہر طرف سناٹا تھا۔ تو پھر بھی نہیں دکھائی دے رہے
 تھے۔ وہ اس گھر سے آئے جہاں آجی الماری تھی۔
 "اسے اس کا قفل؟" سارہ بے ساختہ بولی۔ فریدی
 نے جھک کر کوئی کچھ نظر کو فرش سے اٹھا لیا اور اسے
 آٹ لیٹ کر دیکھنے کے بعد کہا: "اسے گیس سے کالیا گیا ہے۔"
 پھر اس کی نظر گیس سلینڈر پر پڑی۔
 "یہ سب سالانہ تو سنگ ہی کا ہے۔" سارہ بولی۔
 "تو کیا سنگ ہی نے اسے کھولا؟" فریدی آہستہ سے
 بڑبڑایا۔ "تو پھر تو کوئی کچھ سے پہلے ہی نکل گیا تھا۔ سنگ ہی
 بعد نکلا۔"

پھر اس نے الماری کے پٹ کھول دیے۔ اس میں کچھ
 بھی نہیں تھا۔
 "فریدی صاحب! سارہ بھیجی ڈنڈی کو پچائیے۔"
 فریدی کچھ نہ بولا۔ اس نے تو پھر آئینہ نظروں سے سارہ
 کی طرف دیکھا اور پھر خالی الماری کو گھومنے لگا۔
 "میں مکان کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" اس نے غصے سے
 دیر بعد کہا: "سب سے پہلے مجھے سنگ ہی کا کمرہ بتاؤ۔"

75

رات تک ایک تھی... شام ہی سے کچھ ایسی تیز آمدنی چلتی
 شروع ہوئی تھی کہ بجلی کے تار ٹوٹ جانے کی بنا پر شہر کے بعض
 حصے بالکل ہی تاریک ہو گئے تھے۔ آدھی رات کے کچھ بعد فریدی
 ہی دیر بعد اسے کالی کالی بارشیں اور دھبے ہی دیکھتے
 سارا آسمان چھپ گیا پھر ایسی بوسلا دھار بارش ہوئی کہ لوگ
 پناہ مانگنے لگے، سڑکیں دریاں ہو گئیں۔ تینیں اسٹریٹ لائٹری
 کی پوری اندھیرے میں گم ہو گئی تھی اور یہاں بارش کے شور

کے علاوہ کوئی دوسری آواز نہیں سنی جاسکتی تھی کیونکہ یہاں کی
 قدیم انگریزی طرز کی اونچی عمارتوں کی چھتیں زیادہ تر زمین ہی کی
 تھیں۔ اب سے ساڑھے ستر سال پہلے یہ عمارتیں انگریزوں کی
 آفیسروں کے لیے بنائی گئی تھیں اور شہر کا یہ حصہ اب بھی پورانی
 چھاؤنی کے نام سے مشہور تھا۔

سنگ ہی اس طوفانی رات میں تینیں اسٹریٹ کی ایک
 عمارت کے سامنے کھڑا ایک ایسی کھڑکی کو گھورتا رہا جس کے
 شیشوں سے زرد رنگ کی دھندلی روشنی دکھائی دے رہی
 تھی۔ اس نے اپنی جیب سے پتھر کا ایک بڑا انکسلا اور پتھر
 دوسرے ہی لمحے میں اس کھڑکی کا ایک شیشہ پتھر پور کر دیا۔
 سنگ ہی نہایت اطمینان سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اس کے
 واسطے ہاتھ میں رول اور تھا۔ اس کا چھتیک ہوا پتھر کا ایک شیشہ
 کو توڑنا ہوا اندر چلا گیا تھا۔ کسی نے کھڑکی کھولی اور ایک آدمی
 کے دھندلے نقوش زرد روشنی کے پیش نظر میں اچھر آنے۔
 سنگ ہی کے رول اور سے شہر نکلا اور پھر ایک چرخ خانہ کی
 جے بارش کا شور بھی نہ باندھا تھا۔

"یہ آواز کیسی تھی؟" فریدی ایک بیک جو تک کر بولا
 "سنگ ہی ہی سوچ رہا ہوں کہ آخر وہ تین گھنٹوں سے
 بیٹھیں آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ حیدر نے بے ہوشی سے کہا۔
 "شش میرا خیال ہے کہ وہ فائر کی آواز تھی؟" فریدی
 نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں تینیں اسٹریٹ کی ایک دریا اور شہر کے عمارت
 کے ایسے حصے میں بیٹھے ہوئے تھے جس سے وہ عمارت صاف
 دکھائی دیتی تھی جس کی کھڑکی پر سنگ ہی نے پتھر کا ایک بیک
 گولی چلائی تھی۔ شاید وہ اس کی نگرانی سے ٹھیک ایسی گولی غافل
 ہوئے تھے جب سنگ ہی نے اپنا کام کیا تھا۔
 فریدی کے ساتھ حیدر بھی کھڑا ہو گیا۔ سامنے والی عمارت
 کی کھڑکی اب بھی کھلی ہوئی تھی اور اس کھڑکی کے اندر کسی
 دیواروں پر کئی آدمیوں کے گھرے سامنے تیزی سے حرکت کرتے
 نظر آ رہے تھے اور کھڑکی پر بند کر دی گئی۔

"واہ! یہ آپ کا کیا حیدر نے فریدی سے کہا: "تو پھر
 میں آپ نے فائر کی آواز سن لی۔ کمال ہے تو پتھر کی آواز تھی؟"
 فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی نظر کھڑکی پر جمی ہوئی تھی جہاں
 بارش کا اندر کافی کم ہو گیا تھا لیکن زمین کی چھتوں کی وجہ سے شور
 بدستور جاری تھا۔

75

اجانک فریدی نے چونک کر کہا یہ کھڑکی کے ایک
پیشے کو کیا ہوا؟

نثار گھبرا ہوا کہ "میر لولا، پھر اس نے جھٹلائی ہوئی
آواز میں کہا کہ آخر تم کنگ بیاں جھک مارتے رہیں گے؟
"جنگ بنگ سنگی سے ملتا جلتا ہے۔ میرا دعویٰ ہے
کہ وہ آج رات کو یہاں ضرور رہے گا۔"

پھر کھڑکی کی روشنی بھی غائب ہو گئی۔
"آخر پیشہ کیوں؟" فریدی تھوڑی دیر بعد پھر پوچھا۔
پھر اجانک چونک کر لولا "اے حیدر! شاید تم دھوکا کھا گئے
سنگی سے نکل گیا۔"

"کیا خوب دیکھ رہے ہیں؟"
"نہیں شاید ان میں سے ایک اندر ختم ہو گیا وہ تلبیل
کسی آدمی کی ہی طرح تھی۔ اب ہمیں اٹھنا چاہیے۔ ساٹھ
والی عمارت میں داخل ہونا ہی پڑے گا۔"

"کال کر کے بتا دیں آپ بھی! وہ ہیں پہلے ہی ڈاکٹروں کے
روپے ہیں دیکھ چکے ہیں۔"
"مگر وہ ہیں اسٹیشنوں تک ٹھک نہیں مارتا۔"

پھر اس طرح عمارت میں داخل ہوئے کہ ان کے فرشتوں کو
بھی علم نہ ہوگا۔
"اے! تو میری طرح سنگی بھی اختیار کر سکتا ہے۔"

"اور میں نے ہی وہ طریقہ اختیار کر کے میں اسے مدد
دی ہے۔"

"مگر مطلب؟"
"سنگی ہی آج کل میرا تکیہ کر رہا ہے۔ فریدی مسکرا
کر لولا اور اس نے مجھے راستہ بتاتے ہوئے آج ہی دیکھا
تھا۔ تم جانتے ہو کہ ان عمارتوں کے پیچھے دور تک سرکنڈوں
کا جنگل ہے اور وہیں کچھ کتے نہیں رہتے ہیں اس لیے
دن کو بھی اس قسم کے کام باسانی ہو سکتے ہیں۔"

پچھلے جناب احمد غنڈی اس سے کر لولا۔
"سنگی اتنا احمق نہیں تھا کہ میرے پرکھنے سے ہو کر
کھڑکی کی فائرنگ سے اس نے خطرہ جان لوچ کر نکل لیا تھا۔
وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح عمارت کے مکینوں کو سمیٹ کر ایک جگہ
کر دے۔ اس کے بعد فریدی کے بنائے ہوئے راستے کے
ذریعہ چپ چاپ عمارت میں داخل ہو جائے۔
اس نے یہی کیا۔ عمارت کے رہنے والے اب بھی اسی

کرے میں کھڑے سرگیشاں کر رہے تھے جس میں ان کے ایک
ساتھی کی تلاش پوری ہوئی تھی۔
سنگی ہی عمارت کی عین درمیان میں لگی ہوئی نقب کے
ذریعہ عمارت میں داخل ہو گیا۔

فریدی اور حیدر سنگی کے گئے تھے کبھی جگہ انھیں گھنٹوں
گھنٹوں پانی سے گزرنا پڑا۔ بارش بند ہو چکی تھی لہذا انہوں نے
میں مینڈروں کا شور مچا کر رہا تھا۔ ہوا بالکل بند تھی۔ وہ
عمارت کی پشت پر کھڑے یہاں فریدی نے جب سے ایک
چھوٹی سی ٹارچ نکالی اور اسے روشن کرتے ہوئے سرکنڈوں
کے جنگل کی طرف ہاتھ اٹھا کر تین بار بجش دی جس کے
جواب میں تھوڑی ہی دیر پر ایک دوسری ٹارچ کی روشنی
نظر آنے لگی۔

"خفک ہے۔ فریدی آہستہ سے پوچھا۔
"کیا خفک ہے؟ حیدر نے پوچھا۔

"سنگ بھی اندر داخل ہو چکا ہے۔ فریدی نے
کہا اور نقب کے دہانے پر آکر کھڑا ہو گیا۔ حیدر نے چھپٹ
کر اس میں گھس چاہا لیکن فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"ظہور! بدحواسی خفک ہیں۔ معاملہ سنگی کا ہے۔
اس نے کہا اور اندر کی روشنی کر لی۔

"دیکھو! فریدی آہستہ سے لولا۔ وہ نقب کے ٹہرے
کے اوپر کی زمین کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔
حیدر آگے خفک کر دیکھنے لگا۔ سفید رنگ کی چھوٹی
چھوٹی لائٹ داؤ گولیاں زمین پر پکھری ہوئی تھیں۔

وچلے آؤ۔ فریدی نے آہستہ سے کہا لیکن ان گولیوں
پر پیر پڑنے پائے۔
"کیوں؟ یہ میں کیا بناؤ؟"

"جانتے۔ یہ اس لیے ڈالے گئے ہیں کہ اگر کوئی سنگی بھی
کے بعد داخل ہو تو اسے اس کا علم ہو جائے۔
جنگی ہی کی ذہانت پر حیرت ظاہر کرتا تھا فریدی
کے ساتھ چلے لگا۔ سنگی بھی کئی برسوں کے نشانات دیکھتے
ہوئے وہ آگے بڑھتے رہے۔ حیدر نے سوچا کہ بارش کا
پہلا فائدہ ہے۔ ابھی تک تو وہ دل ہی دل میں موسم پر تاناؤ
کھاتا رہا تھا۔

ایک جگہ فریدی نے دھک لگا کر ہٹ لیا اور پھر اس کے بعد
اس نے ٹارچ نہیں استعمال کی مگر تاریک تھا لیکن اس

کے آگے والے کمرے میں روشنی تھی۔ دونوں کمروں کے
درمیان میں ایک دروازہ تھا جس پر ایک دبیز سا پردہ لٹکا
رہا تھا لیکن وہ اتنا دبیز بھی نہیں تھا کہ دوسری طرف کی روشنی
اُسے دکھائی نہ دیتی۔ دروازے میں کوئی کھڑا تھا۔ ایک
تاریک انسانی سایہ۔ حیدر نے اندر سے میں بھی اسے پہچان
لیا۔ وہ سنگی ہی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا شاید وہ
دوسرے کمرے کے لوگوں کی گفتگو سننے کی کوشش کر رہا
تھا۔ وہ دونوں سنگی ہی سے تھوڑے ہی فاصلے پر ان چہرے
میں دیکھ گئے گفتگو کرنے والوں کی آواز میں ایک ننگ صاف
پہنچ رہی تھیں۔

"اب تم رہنے کے لیے تیار ہو جاؤ؟ کسی نے نہیں بلکہ
میں کہا۔

"آہ! اس میں کس طرح یقین دلاؤں؟ حیدر نے
نور کی آواز صاف تھی۔

"یقین؟" اس میں غرور لولا "ہم ابھی بھی اپنا چٹا سا
گنوا چکے ہیں۔"

"تویر کیا قصور ہے؟ اسے سنگی نے مارا ہوگا۔ میں
سنے آج تک کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا اور آخر تم کہتے ہو کہ تمہیں
اماری میں چڑھنے کا حق نہیں ملا تو یقین جانو اسے ہی سنا ہے
اُسے کیا ہے؟"

"ہم بھی اور اس دلہن کو جینی میں فرق ہی کیا ہے؟
"آہ! فرق! اس نے مجھے برباد کر دیا۔ وہی کتا ہے جنرل
امریکے گیا تھا۔ ایک دل خوش کن داستان سنا کر۔ اس نے
سب کچھ کیا اور پھر اس نے پوری طرح گھسیٹ کر پھینک دیا۔
ورنہ میں کبھی اس خوش چیز کو واپس کر دیتا اور ہر قسم لوگوں
نے میرے تیرا آدمیوں کو بھی ختم کر دیا۔"

"وہ کس ہے؟ امریکن لولا۔
فریدی دبے پاؤں آگے بڑھا اور اس نے پردے کے
قریب کھڑے ہوئے سنگی کی کمر پر اس زور کی بات رسید
کی کہ وہ ہر دم سے دوسری طرف جاگا اور فریدی پھر پھر کمر
سے اٹھ کر پھر واپس آگیا۔ دوسرے کمرے میں شور مچ گیا۔
شاید وہ سب بیک وقت سنگی ہی پر ٹوٹ پڑے تھے۔

"واہ... وا! کیا مقدور ہے؟ ایک لڑائی ہوئی آواز
آئی۔ وہ تو اس پٹائی کی گردن میں سے غصہ طے
مچو کر کانٹ نکال لوں غرائی ہوئی سی آواز آئی۔ مگر



مجھے نہیں معلوم میرا کیا کیا

ہوگا؟ جس میں تیرا روی سے میں
تخل کی طرف جلد ہوں اکثر
لوگوں کا خیال ہے کہ دل و دماغ کے لیے فکرت ثابت
ہوتی ہے۔ مجھے خود بھی اس بات کا یقین ہے۔ میں
پھر سے اس کا قائل رہا ہوں لیکن سوائے اس کے
کیا کر سکتا ہوں کہ میں ہوں میں مجبور ہوں۔
میں اپنے آپ کو نہیں روک سکتا۔ ایک زبردست
کوشش ایک ہرگز عاقبت مجھے جاکت اور سچی ک
طرف کھینچے لیے جاری ہے۔

"آہ! بہت تھوڑے عرصے کا ذکر ہے کہ میں اپنے
آپ کو ایک نایت مل گیا تھا میرا طبیعہ نظر اور
میرا لڑائی اس قدر کہیں تھا کہ اس پر نظر ڈالتے
ہوئے میرا دل بڑھ گیا تھا۔ مجھے صرف عالی رنگ
لوگ دیکھ گئے تھے اور میں کو تانہ میوں سے مامون
تھا۔ اب میری یہ حالت ہے کہ کسی اور کو تو کیا میں
خود اپنے آپ کا مطالعہ نہیں کر سکتا۔

مجھے معلوم ہے کہ بہت عرصے میں گزرنے پانے
گاہ میرے حیات فنا ہو جائے گا۔ شاید میرے
حواس مجھے جواب دے جائیں۔ میں اپنے آپ کو زندہ
کتا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مردوں سے بدتر
ہوں کہ وہ کچھ جو تمہارے تانہ ہے وہ کس نہ کیے کا
تو لگ جاتا ہے اور میرا دل ہے کہ نہ مایوس کوئی پہلا
نہیں! آرام و سکون میرے لیے ناممکنات میں سے ہیں۔
نہ مجھے اس وقت کوئی ناسخ سفید ہو سکتا ہے اور
نہ میں خود ہی اپنی رہنمائی کر سکتا ہوں۔ چاہے کہ کو
مجھ پر رحم تو آسکتا ہے مگر اسے میرے نزدیک کرنے
کی ہمت نہیں پڑ سکتی۔

زندگی میں یہ ایک... صرف ایک لغزش
کا نتیجہ ہے۔

آپ نہیں سمجھتے؟ خوب بات ہے کہ
میں جانتے سمجھنے کے منار سے گر رہا ہوں۔



نہیں پہلے اسے بھی کسی بی بی بکڑوڑ
کئی آدمیوں کی ہڈیاں ہٹیں گھر سے یہ گونجنے لگیں شاید
وہ سنگ ہی کو کرکری میں بکڑوڑ لگے تھے۔
تھوڑی ہی دیر بعد فریدی پڑھ بٹاؤ دوسرے کمرے
میں داخل ہو گیا اس کے دونوں ہاتھوں میں رولواور تھے۔
"ہیر ہیر!" اس نے طنز پر ہنس میں کہا۔ "لیکن تم لوگ
اپنے ہاتھ اور ہر جی اٹھانے لکھو۔ یہ بھی ایک آزاد ہی ملک
کی پولیس ہے۔"

سنگ بھی رولواور کے علاوہ کمرے میں تین آدمی اور
تھے۔ ان میں سے دو کو حمید پہیل ہی دیکھ چکا تھا۔ پہلے قد
اور بھاری جو والے آدمی کو پہچاننے میں تو کوئی دشواری ہوئی
ہی نہیں۔ تیسرا آدمی البتہ اس کے لیے نیا تھا۔ ایک بوڑھا
آدمی تھا چہرے پر سفید داڑھی تھی اور سر پر پوروں کے
سے لیے بال تھے۔ ناک ڈھکی اور لمبی تھی۔ آنکھیں چھری
اور جھکدار تھیں لیکن یہ بھی سفید نام تھا۔ سنگ بھی اور
دو تھر کر سب میں جیکوڑے ہونے تھے۔ سنگ کی کارگیاں کھلا
ہوا تھا۔ جب دیکھا کہ اس کے گلے میں چاندی کا ایک موٹا
سایق بڑا ہوا ہے۔

"ختم آ رہی گئی میری گرفت میں؟ فریدی نے سنگ ہی
کی طرف دیکھ کر کہا۔
"کوئی تم دیکھ نہیں کوئی بختوں نے میرے مال کو بلاتھا
رکھا ہے۔ سنگ ہی بولا۔

"چپ رہو حرم زادے! لو تھر گرجا میں تھر سے
کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے۔
"تم نے ہمیشہ میری قدر کی ہے۔ سنگ ہی نے

خنگ پیچھے کہا۔
"لیکن یہ طوق کیا ہے سنگ؟ فریدی نے سکر کو پوچھا۔
"ہاں کھڑکے، تم کا ہے۔ سنگ ہی نے کہا۔
"یہ جو ٹھ ہے۔ پوڑھا سفید قام چٹا۔ اس نے یہ

طوق مردہ شہزادی کے گلے سے اٹا رکھا۔ یہ ہمارے سیلے
بہت متحرک ہے۔ میں اندس کی زیارت گاہ کا ایک نگار ہیوں
یہ طوق سورج دھڑکے نام کا ہے۔ بدلے لیے متحرک ترین۔
"بس اتنی ہی بات ہے۔ فریدی نے پوچھا۔
"تھارے لیے یہ چیز کوئی وقت نہ رکھتی ہر جی ہارے
لیے یہ ایک متحرک امانت ہے۔"

"خوب آفریدی ہنس پڑا پھر اس نے سنگ ہی سے پوچھا۔
"کیوں سنگ... کیا تم بھی سورج دھڑکے کی باری ہو؟"
اس پر سنگ ہی نے جھلا کر سورج دھڑکے کے سارے
خاندان والوں کی مانوں کی شان میں قصیدہ پڑھ دیا۔
"لیکن سنگ! فریدی نے پھر پوچھا۔ "تھوڑی ہی بات
کہ تم اس بے حقیقت چاندی کے طوق کے لیے آتی دوڑ کیوں
گئے اور تم نے اسی کے لیے نہ صرف ان لوگوں کے بچہ آدمی مارے
بلکہ اپنے بھی تین آدمی ختم کر دیے! آخر کیوں؟"

"یہ سراسر جھوٹ ہے۔"
"نہیں پیارے بچو! یہ درست ہے۔ میں نے تمہارے
سامان سے جو ٹھہرے گئی اور وہ زہر بڑھ کر لیا ہے۔ اس کا
تجزیہ کرنے پر معلوم ہوا کہ وہی زہر ہے جس کی علامتیں نیل
کیروں میں پائی گئی تھیں۔ تم نے اپنے بیٹوں ساتھیوں کو بھی
اس لیے ختم کر دیا کہ انھوں نے نہیں مڑھ لڑا کہ گلے سے
طوق اٹا کر نہ دیکھا تھا اور یہ بھی کس لوگ! وہ چٹان نثری
میں ہی تھا۔ نیل کیر کے دوسرے حادثے کے بعد ہی سینے نے
اس کپس میں دوپٹی یعنی شروع کر دی تھی۔ میں نیل کیروں کے
راز سے واقف تھا اور یہ جانتا تھا کہ تم نے شہزادی کی لاش
کے لیے اتنا مال بخر کر لیا تھا۔ بہرین مصنف کا وہ سفر نامہ
جو تمہارے اس سفر کا محرک ہوا تھا میری نظروں سے بھی
گزر چکا ہے۔ مجھے فرزند۔"

سنگ ہی کا چہرہ پیلا پڑ گیا لیکن اس نے دوسرے
ہی لمحے میں قہقہہ لگایا۔ بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے فریدی
کا مذاق اڑا رہا ہو۔
فریدی اس کے قہقہے کی پروا کیے بغیر بولا۔ "حمید!
سنگ ہی کی گردن سے طوق اٹا کر لو! غیر وار کوئی اپنی جگہ سے
نہ بڑھو ورنہ کوئی مار دوں گا۔"

دوسرے ہی لمحے میں ہزاری قدوں کی آواز سنائی
دی اور کئی مسلح سب انسپکٹرز اس کمرے میں گھس گئے۔ حمید
نے آگے بڑھ کر طوق سنگ ہی کی گردن سے اٹا لیا۔ فریدی
اُسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ اچانک وہ اس کے ہاتھ
سے چوٹ کو فرش پر گرا ہوا پھر اسے اٹھاتے وقت اس کے
مٹنے سے لگی ہی خیر آئینہ آواز نکل۔ طوق کی مٹائی ہوئی
تھی۔ حمید نے فوراً دیکھا تو اس پر یہ حقیقت کھلی کہ
طوق کے گرد چاندی کا ایک بڑا سا پیر لپٹا ہوا تھا جس کی

بندش اب ڈھیل ہو چکی تھی۔ فریدی نے اسے چھیل دیا۔ یہ ایک
بالت لپٹا اور اتنا ہی چوڑا تھا۔

"خوب! فریدی ہنس کر بولا: "توہ افواہ جو اس جرمی
مصنف نے اپنے سفر کے دوران کی تھی صحیح نکلی۔"
"کیسی افواہ! حمید نے پوچھا۔ کیا وہ کتاب آپ کو مل
چکی تھی؟"

"ہاں! افواہ یہ تھی کہ شہزادی کے پاس شاہی خاندان
کے دفین خزانے کا نقشہ تھا اور شاہ اس پر تین سو بی نقشہ
سے اور تین تصویری انداز کی ایک تحریر بھی ہے جسے آج کل کے
زمانے میں شاید ہی کوئی سمجھ سکے۔ کیوں سنگ! کیا تم اسے سمجھ
سکتے ہو؟"

سنگ ہی کچھ نہ بولا۔ اس کا چہرہ بالکل تاریک ہو گیا تھا۔
زمرن اس کی بلک ان تینوں سفید قاموں کی حالت بھی خیر
نظر آنے لگی تھی۔

فریدی نے سنگ ہی سے کہا: "لو تھر کو تم نے اس لیے
زندہ رکھا کہ وہ دولت مند ہے۔ تم اسے دوسرے سفر کے
اختتام تک زندہ رکھنا چاہتے تھے اور شاید مقصد پورا ہو جانے
کے بعد اسے بھی ختم کر دیتے۔"

"کیسا مقصد؟ حمید نے پوچھا۔
"خزانہ کی تلاش میں کامیابی۔"

"کیا میں اس وقت کوئی جاسوسی ناول میں دیکھ رہا
ہوں؟ حمید نے اپنے گال میں پٹکی لے کر کہا۔
"زیادہ تر حقیقت ہی افسانہ بنتی ہے۔"
اس کے بعد ان سب کے ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔

بچے کالیں آگے پیچھے شہر کی طرف جا رہی تھیں۔ ان میں
قدی بھی تھی۔ سب سے آگے والی کالیں سنگ ہی تھا۔ اس
کے داہنے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی اور ہتھکڑی کا دوسرا اٹھلے ایک
سب انسپکٹر نے اپنے بائیں ہاتھ میں ڈال رکھا تھا۔ جیسے ہی دیا
کاپی قریب آیا سنگ ہی نے بائیں ہاتھ سے اپنے کٹ کا ٹکڑا ٹول
کر ایک بار لپکی تو کوئی نکالی۔ سب انسپکٹر نہایت اطمینان سے
ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ سنگ ہی کا بائیں ہاتھ اس کی ران
کی طرف دھکیا گیا۔

"اور رہا سب انسپکٹر کے منہ سے اتنا ہی نکل سکا
اور پھر وہ شاید دوسرے ہی لمحے میں جیش کے لیے خاموش ہو
گیا۔ سنگ ہی نے بڑی صفائی سے اپنا ہاتھ پاتھ ہتھکڑی

سے نکال کر مردہ سب انسپکٹر کے ہولسٹر سے رولواور نکالا۔ پھر
اس کی نال ڈھکی کی گردن پر رکھتا ہوا سانپ کی طرح ہتھکڑا۔
"روک دو ورنہ کوئی مار دوں گا۔"

کالیں پر پہنچ چکی تھی۔ جیسے ہی ڈرائیور نے زمانہ کم
کی سنگ ہی سے دیا میں جھلا گنگ لگا دی۔

پھر ایک شور قیامت اٹھا۔ ساری کالیں ہلک گئیں۔
فریدی جھانکنا ہوا اگلی کار کی طرف آیا پھر روک لگا کر ٹیک سے
بچے دیکھ لگا۔ کئی ٹارپوں کی روشنیوں دریا کی سطح پر چکر
نظر آ رہی تھیں لیکن سنگ ہی کا کہیں پتا نہ تھا۔

دوسرے دن سفید قام قیدی امریکن سفارت خانے
کے پیر واریے گئے کیونکہ ان کے پاس امریکن پاسپورٹ
تھے۔ سفارت خانے سے معلوم ہوا کہ وہ امریکی کے معزز شہر میں
میں سے تھے۔ پوڑھا جس نے خود کو انڈس کی زیارت گاہ کا چلری
بیٹا تھا امریکی ایک ماہر آئینہ بدیر نکالا لیکن ان بیٹوں نے اپنے
سفارت خانے کے فیصلوں سے کسی طوق کا تذکرہ نہیں کیا اور
نرمطانی افسروں ہی نے اس قسم کا کوئی سوال اٹھایا۔ طوق
سکڑی تو ریل میں چلا گیا تھا۔

بہر حال معاملہ بالکل دبا دیا گیا۔ تین چاروں بعد لاٹر
کی ضمانت منظور ہو گئی۔ سارے الزامات سنگ ہی کے خطوں
تھے لیکن سنگ ہی کا کہیں سراغ نہ ملا۔ دریا میں میلوں تک
اس کی لاش کے لیے حال ڈاے گئے لیکن لاش بھی نہ ملی۔
یہ تو سوچا ہی نہیں جاسکتا تھا کہ اتنی بلندی سے کودنے کے
بعد وہ زندہ بچا ہوگا۔

فریدی کو اس کا انسو تھا کہ وہ سنگ ہی کو عدالت میں
پیش نہ کر سکا۔ شلی کیہ راز اس نے سل کر لیا تھا اور یہی معلوم
کرنا تھا کہ یہ سب ہتھکڑیں بنا رہا تھا لیکن اس سے
اس کی تحقیق نہیں ہوتی تھی۔ وہ سنگ ہی کو ایک پھر کمرے
کی طرح مسکنا چاہتا تھا۔

طوق سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن اسے کیا معلوم
تھا کہ ایک دن طوق اسی کے گلے لگے گا اور اسے اس کے ساتھ
ایک دور افتادہ سرزمین میں طوق حرج کے خطرات کا مقابلہ
کرنا پڑے گا۔

حمید کو اس کی مطلق پروا نہیں تھی کیونکہ وہ ہوا دیکھتا ہوا
چاہتے تھا۔ اسے اس کپس میں صرف ایک ٹکڑا ہوا۔ وہ
یہ کو اکثر شاہیں سلہ کے ساتھ گھومتی رہیں۔



ابن صفی کی کوئی کہال سے شروع کر دیں اس وقت اسی مسئلہ کے چوراہے پر کھڑا ہوں۔ جاسوسی دنیا اور عمران میر نے ان دیرین سے جن پر وہ جارا نام لکھ کر کتاب بیچتے تھے یا باہمی ملاقاتوں سے یا ان کے تالوں کے مطالعہ کی تاریخ سے یا اردو ادب کے ان ناقدوں اور نڈتوں سے جو ادب کی تاریخ میں اسرار و خراجِ رسانی کے سلسلہ میں فقہِ عمر جو کام نام تو لیتے ہیں مگر ابن صفی کا تاؤ ان کی زبان و قلم پر نہیں آتا۔ اگر وہ سب سے سترخِ رسانی کے نقوش کو ادب کی عمر میں شامل نہ کیجئے تو ان سے شکایت نہ ہوتی ہاں ان کے تصور اور ادب پر گفتگو کی جاتی۔

پچھلے قلم کار کی ترتیب کے ساتھ ہی ابن صفی اور اپنے دشت کو آج قلم بند کر ڈالوں۔ ۱۹۵۹ء کی بات ہے۔ اس وقت ملک یہ بات یوں یاد رہی کہ ایسے لے پاس کے اسلامی کالج میں کوئی کاغذ کرچکا تھا۔ ان کی وضاحت جموں میں پڑے تھے۔ یاد نہیں کہ کون سا روز تھا۔ مجھے شدید بخار تھا اور روز بھی لکھا تھا۔ کہیں افکار کرتے تھے۔ جوانی میں بھگدار اور محبت۔ یہ سائل ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ واپس لوٹا تو اس کا دورہ پڑا اور شدید۔ پھر بیماری کی اسی شدت میں ہندوستان جانے کا پروگرام بنایا مگر وہاں جا کر اپنے چھوٹے بھائی سید ارشد حسین مرحوم سے ملاج کر ڈالوں۔ سفر کے سلسلہ میں سہل پندوں میں چوں اور تنہائی کا قائل۔ ان دنوں درجہ دوم میں سفر کرنا عیاشی سمجھا جاتا تھا۔ ہمارے پکار گشت میں ایک نوجوان غارتوں اپنے شوہر اور اپنے بچوں کے ساتھ تھیں۔ تہذیب و آداب سے اندازہ ہو کر اچھی قدرتی اور تافح روایات کی ترجمانی ہیں۔ نہایت شدید گرمی تھی۔ میں نے بوس دالے سے مین کی بوس لی اور اٹھاتوں سے پتھر چاکر آپ لیں گی۔ جواب ملا: بھائی! میرا دورہ ہے۔ بھائی کے لفظ کی ادائیگی میں اپنی ذات کے اعتماد کے ساتھ دہی دشت کے تقدس کی جو جھلک تھی، وہ میرے وجود میں ایمان کی لہری طرح اُتر گئی۔

اور جب ہم اتر کر سرسبز گہر کر اتر کر میں کھنکھاتی طرف بڑھ رہے تھے تو مجھ پر ماضی کا شدید دورہ پڑا۔ میری بہن نے فوراً پچھلے اور پچھلے پروس کی مالش کی۔ میں نے اپنی دوامی کھانیں اور اسی دورہ کے دوران انھوں نے مجھے جاسوسی دنیا کے دو تین شمارے دیے۔ ابن صفی، بالکل نیا نام۔ اور میں نے مطالعہ شروع کیا۔ کہانی کی دلچسپی میرے مرض کی شدت پر غالب آگئی۔ اردو کے سارے شمارے (دو یا تین) ختم کر کے میں آگاہ ہو گیا۔ کچھ دن بھر اپنے سے پہلے کھل۔ یہ تھا ابن صفی سے میرا تعارف اور میری بہن کا بھائی پر اسٹان۔ دو دنوں میں ان پر بڑی کھنکھاتی کشش پڑا۔ سب سے پہلے معلوم ہوا کہ یہ دونوں مشہور غارتوں ناول نگار قاضی حسین بیگ اور مجھ کے لاہور میں قیام تھا۔ اب بھی وہیں ہوگا کہ ان دنوں کو خوش رہے۔ میں نے سفر جاری رکھا اور اپنے آبائی شہر کا پتہ پتہ کیا۔ کچھ دن بھر کھنکھاتی کشش اپنے چھوٹے بھائی کی غارتوں اور الہ آباد کے سہما اللہ تھے۔ یہاں کہہ دو مجھے جاسوسی دنیا کے سارے شمارے لائی۔ ان دنوں کا پتہ میری ہندوستان کے دوسرے تمام اردو مرکوزوں کی طرح "ابن صفی" میں چلتا تھا۔ یوں ابن صفی نے صرف جیسی ادب کی طرف ہی سے لوگوں کی دلچسپی کا رخ نہیں کیا بلکہ ہندوستان میں اردو کی بقا کے سلسلے میں بھی تاریخی کردار ادا کیا میری اس بات کو کچھ تاخیر سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ میں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ ہندوستان میں ابن صفی اردو کی بقا کا واحد وسیع تھے

صرف یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستان میں اردو کتابوں کے مطالعہ کی روایت کو برقرار رکھا ابن صفی، ان عناصر میں ایک عنصر تھے۔ ان شماروں کے مطالعے سے اندازہ ہو کر ہمارے (ہر کتاب) کے ساتھ ابن صفی کے اسلوب میں لکھی گئی کہانی پر ان کی گرفت مضبوط ہوتی گئی کہانوں کی بنیت میں ہمراہ انداز انھیں لگا۔ پھر صرف جرم و سزا کی کہانیاں نہیں تھیں۔ ان میں انسانیت کے مطالعے بھی تھے، فائدہ مند ناولوں اور موروٹی خصوصیات کے عناصر بھی تھے، مجموعی طور پر انھیں انڈیا ولسٹری کے ساتھ ساتھ ان حقیقت کا اظہار بھی تھا کہ ہر کام کا ان کتاب ہمارے کچھ معاشرے کے اچھے لوگ بھی کرتے ہیں۔

ابن صفی کی کہانیاں میں بھی بڑا ہتھیار اور میرے علاج میرے بھائی۔ اور انھی دنوں میں ہندوستان پر زبرد دو جیسے ہندوستان سے واپس آگیا۔ میرے پاکستان جانے سے پہلے میرے چھوٹے بھائی جوش کے ہاں تھے۔ ابن صفی نے ہندوستان میں ہندوستان کے حالات میں شامل ہو چکے تھے۔

پاکستان اگر کچھ معلوم ہو کہ کیا ابن صفی کرا (CRAZE) کا دور دورہ ہے۔ ہر ایک کے ہر ایک میں ابن صفی تھے (انہ کہہ اب بھی ہوں) کراچی کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے سے بے خبر ہیں۔ جی اے جی صاحب معلوم ہو کہ اس دن جاسوسی دنیا ہندوستان سے آئے۔ وہ پانچ روپے کا خریدے تھے۔ آدمی معقول تھا۔ تاہم وہ ہندوستان کے ملک کے قریب ایک روپے میں نہیں کوڑھتا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ بلاناہد پڑھنے کو سہا کرتے تھے۔ جی اے جی صاحب کو پچھلے قلم کار کا ایک ایک باب یاد تھا۔ جی اے جی صاحب نے زیادہ دیر سے دوستی کر لی کہ جب جاسوسی دنیا کی نئی کتاب آئی تو وہ دیر سے لے لیتے۔ ان دنوں پر شام سرد جاتے۔ ان بے کتاب اسی دن لی جاتی۔ صدیقی لکھے والوں اور ان کے جوش کے کئی دوست تھے۔ ایک تو کہہ سکتے تھے کہ اپنے دنوں کی بھرپور ماحول میں صاحب کی ان کی دکان۔ شاہد احمد ایک دلچسپ شاعر ہیں جن کے ایک ناول کی کہانیاں کئی برس ہیں۔ باہول میں ہمارے پچھلے میں سفر کرتے ہیں۔ یہی ہے ہم لوگ کے جی اے جی صاحب نے اور ان میں کچھ فرق ہے۔

میں نے ابن صفی کی جاسوسی دنیا کو کبھی نہ دیکھا ہے نہ تو لکھنے میں تجویز کیا اور نہ کتابوں کے درمیان دیا۔ ہندوستان کے ایک مایہ ناز محنت کچھ محنتوں دنوں وہ سب مل کر میری جارحیت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ کوئی بڑا ہتھیار ابن صفی کیوں لکھتے جو وہی وقت سے جواب دے گا۔ ابن صفی کی بچی کے حکیم ناول نگار۔ سے بہتر زبان کتاب۔ ابن صفی کی جاسوسی دنیا کے شے جو نے ابن صفی کے دورہ تھے۔ میں نے انھیں ابن صفی کی دو تین ناولیں پڑھنے کو دیں۔ اور پھر اس سلسلہ ہوا کہ ہر شے پڑھتے پڑھتے "خیر صاحب" ناول آگیا۔ بن لوگوں کو میں نے مشرف ابن صفی کی ان میں سرشار صدیقی بھی شامل ہیں اور وہ اس بات کا اصرار بھی کرتے ہیں کہ میں نے ابن صفی کی جاسوسی دنیا کے دورہ میں ابن صفی کی بہت سی گفتگو کی اور انھوں نے کراچی کے کئی ناول اپنے قیام کراچی کے دوران پڑھے۔

ابن صفی صاحب کے مطالعے کے دوران یہ بات مجھے پر آشکار ہوئی کہ ان کے ابتدائی دو تین ناولوں کا بلاٹ متعارف ہوا اس کا اسباب نہیں کیا گیا تھا۔ میں بلنا مہر نواز کا ابراہیم کیا۔ اس کے دے دے میں اب کبھی قاصد جرم ناولا حسن مشعلی اور شہزادہ انور کشمیری میں نے چر و لاہور سے۔ کا سلسلہ شروع کیا جس میں شہر کی ادبی چریلوں کا کثافت کیا جاتا تھا۔ اسی دوران قاضی حسین بیگ میں نے ایک مضمون میں اشارہ ابن صفی صاحب کا ذکر کیا۔ نام لیا۔ اور پھر حسین کاظمی صاحب سے معلوم ہوا کہ ابن صفی صاحب کے شہر کے باسی ہیں۔ میں تو انہیں ہندوستان میں تھا۔ کچھ دن بھر کھنکھاتی کشش میں نے جوش ملی دہلی دہلی کہانیاں ان کے لیے باعث افتخار نہ تھیں۔ وہ تو واسطہ تلاش کرنے کا سہرا تھا۔ ابن صفی صاحب نے ایک پتہ میں میں نے ناول کا ذکر دیا اور بات ختم ہوئی۔

پھر ابن صفی صاحب سے محاکات ہوئی اور جی کریم مصلح علیہ وسلم کی وہ حدیث ابن میں تازہ ہو گئی۔ مسلمان مسلمان کا ایک ہوتا ہے۔ وہ تو ختم تھے۔ نہ آرزو: بلکہ انھیں اس بات پر خوش تھی کہ انھار کے دس سالہ نہیں آرزو ادب کا ہاتھ لیتے ہوئے تھے۔ میں نے ان کا ذکر کیا تھا۔

ابن صفی صاحب نے اپنی دوسری غارتوں کے بعد ہی مجھے جاسوسی دنیا اور عمران میر کی ناولیں رجسٹرڈ ڈاک سے

ادب

کا

ادبی انتخاب

مذہبوں ذہن میں گونجوں گا سوالوں کی طرح
تجھ کو یاد آؤں گا گزرتے ہوئے سالوں کی طرح
ڈوب جائے گا جو کسی روز یہ خورشید اُٹا
نچھ کو دہراؤ گے محفل میں مثالوں کی طرح

”چھراہم کیا کرو گے؟“

”اُردو ادب کا کوئی نامور نقاد ابن کرجا سوسی ناولوں کو گالیاں دیتا پھروں گا۔
”جو تک کی والیسی“ کا اختتام یہ حق ہے اور ابن صفی نے عمران کی زبانی ایک ہی جملہ کے ذریعہ اُردو کے نقادوں
سے اپنا حساب دے باقی کر دیا۔ ابن صفی جیسے ادب میں ستری ادب کے سب سے بڑے نمائندے ہی نہیں بلکہ امتیاز ذات
کی مکمل مثال بھی ہیں۔

اُردو کے نقادوں کا مذاق محمد حسن بھٹکری، ڈاکٹر احسن فاروقی اور دوسرے انگریزی ادیب اے پاس نقادوں نے
اُڑا یا ہے کہ وہ جدید تصورات سے آگاہ نہیں، ابن صفی نے بھی ان کا مذاق اُڑا یا ہے مگر دوسری بنیاد پر اور وہ بنیاد یہ
ہے کہ ان کتابوں میں اسرارِ بلاغت کی پیچیدگی اور جادو پر سر ڈھنڈے والے سنے جاسوسی ناولوں کے اسرار اور سائنسی ترشوں
نے انکار کر کے نظر آتے ہیں اور بزرگوں کی پرستش کی انتہا پر کہ ظفر عمر زہری بی۔ اے علیگ، کا ذکر تو رام بابو سکینڈ کی
تاریخ ادب اُردو میں بھی تیل جھتری اور مہرام کے حوالے سے ملتا ہے مگر بعد کے نقادوں میں سوائے ابوالخیر شفیق کے کسی
نے جاسوسی ناول اور ناول نگاروں کے ذکر کو قابل اعتناء نہ جانا۔ شفیق صاحب نے تو ابن صفی مرحوم کے سلسلے میں ایک
مستقل مضمون لکھا ہے ڈاکٹر شفیق نے عمدہ نثر اور اسلوب کے محاسن کی بنا پر ابن صفی کو عہد حاضر کا اچھا ادب اور نثر نگار
قرار دیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے ابن صفی کی کردار نویسی، بلاغت نگاری، مزاح اور مستقبل بینی پر بھی بدھنی ڈالی ہے۔
شفیق صاحب میرے بزرگ ہیں اور انھیں کے ارشاد پر میں نے ابن صفی کے ادبی انتخاب کی توثیق داری قبول کر لی
ہے۔ شفیق صاحب کسی کے اس تنقیدی خیال سے متفق ہیں کہ اچھا انتخاب ادبی تنقید ہوتا ہے۔

جہاں شروع کر دیں۔ وہ دیر پر نام اور پتا بھی اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ جب دھڑکی آتی تو مجھ میں اور میری بیوی بقیہ کی
کشکش شروع ہو جاتی کہ کون پہلے پڑھے۔ (اگر ڈاک کے وقت میں گھر پر ہوتا، درخت کھڑے تو میرے واپس آنے سے پہلے وہ
ختم کر لیتیں)۔ ایک دن جامعہ کے ہنڈلے کی کسی تقریب میں کچھ صحنی صاحب آئے۔ یہ ان کی وفات سے دو دو چھ ماہ پہلے
کی بات ہے۔ وہ بیچر عمدہ کے نہیں تھے اسی لیے تعریف کے بعد میں انھیں اپنے گھر لے آیا تاکہ وہ کچھ کھالیں۔ خاصا تاثیر
ہوئی تھی۔ گھر میں چلے پیتے ہوئے میں نے کہا کہ جب آپ کی کوئی ناول آتی ہے تو اپنی بیوی کے ساتھ میرے تعلقات اس دن
کتنے ہو جاتے ہیں۔ بڑی حیران حیران سی خصوصیت کے ساتھ وہ ہمیں دیکھنے لگے اور جب میں نے بات بتائی تو انھیں چمکے اور
بولے کہ آئندہ بیٹھتے یہ منزل نہیں آئے گی۔ اگلے بیٹے عمران سیرنگی دو جہراں آئیں۔ ایک میرے نام، دوسری بیوی کے
نام۔ جب دو چار ماہ کے بعد ملاقات ہوئی تو میں نے انھیں اس دھت مزید سے متح کیا۔ مرحوم کی وفات کے بعد جب مجھے
پانچ بجے اور عمران سیرنگی ایک ناول کا آخری حصہ دھڑکی سے آیا تو میں اپنی کیفیت کا بیان کروں۔ اُن کے جانشینوں نے بھی
اُس محبت کا پاس کیا جہاں سے دسیاں تھیں۔ پھر احمد صحنی سلسلے سے ملاقاتیں ہوئیں اور مشتاق قریشی صاحب کو بھی میں اُن کے
جانشینوں میں شامل کرنا ہوں اور معنوی دروہانی اولادوں صحنی میں تو وہ ولی عہد ہیں۔

اسرار و طرح و زانی اور غش کی کہانیاں غریب کے کئی بڑے ادیبوں نے لکھی ہیں۔ سر ڈاکٹر کان ڈاکٹر، ایڈیٹر ایلین پیرس
پیشترنگ جگ۔ ہمارے ہاں ادبی پندت اسے ادب کی بُریا سے دس لکھا دیکھ کے متاثر ہیں۔ برادری ہے کہ کردار نویسی کے اعلیٰ
مستار اور پھر راج کی بھنگی کے بغیر جاسوسی ناول محض بیچیدہ اور تفریبات کی بنا پر ناول کی بارگاہ میں جگ نہیں پاسکتا۔ اچھا
لکھنے والا جاسوسی ناول میں بھی انسانی نفسیات کی گہرائیوں میں سفر کرتا ہے۔ ابن صفی کے ہاں صرف اس بات کی اہمیت نہیں کہ
”آگے کیا ہو گا۔ آگے کے ہاں ہمیں قریشی، حمید، قاسم عمران، یوسف، سلیمان، روشی، چوہا ناکی، رفاقت، محمد اچھا وقت گزرتے کا
موت ملتا ہے۔ گیسے (GASSET) جیسے بڑے فلسفی اور ادب شناس نے بے ناول کی اص اساطیر قرار دیا ہے۔

اور ابن صفی کی زبان و بیان کی طرف اشارہ تو کر چکا ہوں۔ ابن صفی کے ہاں اختصار ہے۔ اُن کے مکالموں میں برکت ہے
اور غرافت ہے۔ یہ خلافت کہیں زبان کی ہے، کہیں خیال کی اور کہیں صورت حال کی۔ اگر ان کے ناولوں کے ایسے بھدیں کا
انتخاب شائع کر دیا جائے تو سن میں زبان و بیان کے محاسن بہت نمایاں ہیں مگر ابن صفی کے ادبی مرتبے کو تسلیم کرانے کی طرف یہ
ایک اہم قدم ہو گا۔

ایک مسلمان اور عالم پاکستانی کی شخصیت سے مجھے جذباتی طور پر ابن صفی کے ناولوں میں وہ مقامات اور موضوعات
میں میں میں انھوں نے ہمارے مسائل کو کہانی کا پیرا بن عطا کیا ہے۔ آگے کے دور آخر کے ناولوں میں ”ایران“ اور افغانستان“ میں
بعملوں پیش آنے والے واقعات کا عکس نظر آتا ہے۔ حکایات اور داستانیں اور غیروں کی وہ دلیرانہ وائیاں بھی جن کا آج میں سامنا ہے
ان دنوں انگریزی میں کرل جیس اور کیپٹن جون نے کارناموں کی موضوع ہے۔ ان کہانیوں کی تخیل میں ایک مقامی ماہنامے میں
شانیں مہر دی ہے۔ اگر پسند یہ کہانیاں پڑھی ہیں تو کیا ان میں خدیں ماورجہ کی جھلکیاں نظر نہیں آئیں؟ پھر کہانیوں کی بنیاد بھی
ہے۔ ویسی ہی سائنسی ایجادیں اور طاقت، ثانی تحریک سے حماکت۔
اس وقت یہ تحریک اسے خرس کے طور پر لکھی گئی ہے۔ انشاء اللہ ابن صفی کے مہر جملوں پر پڑھی کھول گیا۔



جھلکتے ہیں، چڑھتے ہیں اور اسے محض ایک سحرانگہ کرشمہ
کہنا چاہتے ہیں لیکن نہیں کر سکتے۔

عمران بیچ ایسا کھڑا ہے جو دو آتھانوں پر اور دو آتھانوں کے درمیان زبردستی سر کر رہا ہے۔
”گمشدہ شہزادی“ کا پیش رس، ایک غائبہ و محرم ہے۔ آرو کے منہ کے گوشہ ہنسنا کا کوئی انتخاب نہیں
کیا جئے تو اس میں اسے غلامی کی جگہ دینی ہوگی۔

مجھے بھی ایک شہزادی کی تلاش تھی... تلاش ہی تھی... لیکن
آج کل ماقم طائی بیٹے میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں... اگر کسی
طرح بن بھی جائیے تو جھگڑوں میں خاک آڑا نہ دے وہ ڈر ہے
درجن شہزادے نہیں ملے مین کی مڑوں پر لائی جا سکیں... خیر تو کچھ
یہ رہا تھا کہ شہزادی کی تلاش شروع ہوتے ہی آتھانوں یا درمیانوں
کی بجائے طائی کا ایک چھتر آٹھرا یا اور پھر سیاں سے دوسری داستان
شروع گئی۔ بالکل اسی طرح جیسے قصہ تمام طائی کے درمیان دوسری
داستانیں شروع ہوجاتی ہیں

اس میں شخصیں محرم بھی ہے اور مزاح بھی۔ داستان ابن صفی کے خون میں رواں تھی، وہ صنف داستان گوئی پر عبور رکھتے ہیں
اور انھوں نے اس انداز کی چیزیں بھی لکھی ہیں اور غالباً انتظار حسین سے پہلے جن کا یہ کارنامہ قرار دیا جاتا ہے کہ انھوں
نے داستان کو پختہ انداز کے ساتھ لکھا کر افغان کو نیا رنگ دیا ہے۔ اپنی ذاتی بیماری کو دوسری داستان، قرار دینا مزاح
بھی ہے اور حوصلہ بھی۔

میرا خیال ہے کہ یہ دوسری داستان اس سے بھی زیادہ عجیب اور
دبچپ لگی۔ آپ خود ہی سوچئے اگر ساڑھے پانچ فٹ کے
اشرف الملو کو، ایک تنہا سا چھتر چھڑا جانے تو کیا آپ اسے
عجیب نہ کہیں گے...؟ آپ کے لیے یہ بات عجیب ہو یا نہ ہو
مگر میرے لیے تو عجیب ہی نہیں بلکہ حسنی خیز... بھی ہے... بہ حال
اس چھتر کی وجہ سے میں راستہ بھٹک گیا، پہلا تنہا گمشدہ شہزادی
کی تلاش میں لیکن کوئین کے کپڑوں کی وادی میں آنکلا اور اب
سوچ رہا ہوں کہ ایک ناول ”چھتر کی وادی“ کے نام سے لکھ
ڈالوں۔ حالانکہ ابھی تک تاریک وادی ”ہی کا وعدہ پورا نہیں کر سکا۔

یہ پیش سے اندیشہ کو لکھا گیا۔ موت کا سایہ ابن صفی کے ہاں بار بار نظر آتا ہے، مگر اس موت کے اندیشہ کو یہ
حقیقت گوارا بنا دیتی ہے کہ صنف سے اس کے قاری کسی محبت کرتے ہیں۔ موت کا اندیشہ اور قاری سے محبت ہماری
داستان کس طرح ایک عنصر پر اگراف میں سمٹ آتی ہے۔

ہاں جب اس چھتر مجھے دوسری راہ پر ڈال دیا تو شہزادی
کی تلاش کیسے جاری رہ سکتی... نتیجہ یہی ہونا تھا کہ گمشدہ شہزادی؟
آپ تک در سے پہنچے، مگر غلامی پناہ، اس تاخیر کی وجہ نہانت
کرنے کے لیے آپ نے اتنے غلطو لکھ ڈالے کہ اب میں موت
سے بھی ڈرتے لگا ہوں... پتا نہیں کب مر جاؤں اور آپ قبر
پر ڈھکے مار مار کر کہیں فلاں ناول تاریخ کو منتظر عام یہ لائے
سے پہلے ہی مر جائے کاشق تجھ کو کو کھڑا حاصل ہوا۔

ابن صفی

”میں نے جو محسوسات حاصل کرنے کی خواہش
وہ فطری جذبہ ہے جو انسان اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتا
ہے اور اسے اشرف الملو کو بتانا ہے۔“

میں اس جذبے کو کبھی نہ مانتا تھا۔ ایک چھتر کی طرح جہاں رکھ
دیے جاتے وہ بڑے بڑے برف محسوسات کا جذبہ ہی ہے جو
انہیں کو ہمدرد کرادیتا ہے۔ اس کی دلیل اور ثبوت تو یہ ہے کہ
میں بھی موجود ہے۔ اٹھائیس فرما کر ہے۔

”جب ہم کو فطری باتوں کے پیچھے سے لگا لایا گیا (تو اس وقت)
تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے (نکد)۔“

بہالت اللہ لا محلی کی اس سطر کے بعد اگر انسان اپنی زندگی
میں کچھ ماحول حاصل کرتا ہے کسی درجہ پر فائز ہو جاتا ہے بلکہ اس قابل
ہو جاتا ہے کہ وہ دوسروں کو محسوس کرنے تو اس کے پیچھے صفت
اور صفت ایک ہی جذبہ کا رخ کرتا ہے۔ محسوسات اور جو کا جذبہ۔

جاسوسی کا غلطی نہایت زیادہ قتل و قمار گری تک محدود
ہو کر رہ گیا ہے۔ کسی مجرم کی تلاش کو جاسوسی کہا جاتا ہے کسی فرمان
کار و فانی کی چھان بین جاسوسی قرار دیا جاتا ہے۔ چھپ کر وہوں

کی فوج لگائے کے غرض سے وہی جاسوسی کہلاتا ہے جب کہ اس
لفظ کے معنی بہت وسیع ہیں۔ عربی زبان میں محسوسات اور محسوسات
الفاظ محسوس اور محسوس کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ صفت اس
لیے کہ انسان میں ہمیں وہی دو مقام ہیں جہاں سے پورے نظام جمالی

کی کیفیت کا پتا چلتا ہے۔ قدیم دور سے آج تک ہر طبیب ویدک ڈاکٹر
محسوسات کی تشخیص لگتی دو محسوسات سے کرتا ہے، اگر ہم ان کے
اس محسوس کو بھی جاسوسی کہیں تو غلط نہ ہوگا۔

”جاسوسی“ کے جذبہ کا ارتقاء انسان کے ادراک اور عقل فی

کے مطابق ہونا رہتا ہے۔ دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے
وہ کان میں آنے والی آوازوں کی جستجو کرتا ہے۔ انھیں پہچانتے
اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہے (اسی لیے ہم بچے کی پیدائش کے بعد
سب سے پہلے اسے آواز نہاتے ہیں) پھر جیسے کے اس میں
کانٹ کے ساتھ ساتھ آنکھیں بھی شامل ہوجاتی ہیں۔ آواز کو نہیں
اور ہمیں لکھتے ہوں کہ اس آواز کی طرف توجہ دینا اس بات کا ثبوت
ہے کہ صرف محسوسات سے اس کے جذبہ کی تشکیل نہیں ہوتی۔ یہ
جاسوسی کی دوسری منزل ہوتی ہے۔ اس کے بعد لکھتے کا ذکر آتا
ہے اور پھر جب کہ وہ چلنے پھرنے کے قابل بھی نہیں ہوتا
محسوسات کو اس اور جہاں کی طرف توجہ دینا کرتا ہے۔ اسی طرح
جب وہ لکھنے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو صرف محسوسات سے لکھنے
اور باتوں سے محسوس کر لینے کے محسوسات سے بھی اس کی تشکیل
نہیں ہوتی۔ اب وہ سوالات کی پوچھا کر دیتا ہے۔ ماں، باپ یا
جو افراد بھی اس کے قریب ہوتے ہیں ان سے وہ ہر قسم کی معلومات
حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح اگر ہم انسان کو پیدائشی
جاسوسی کہیں تو غلط نہ ہوگا۔

ان مثالوں کا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ جاسوسی کو
کوئی برافض قرار دینا یا اس میں کوئی حرم کرنے کے غرض سے کرنا
غلط ہے۔ ہر قسم کے تحقیقی محسوسات کو وہ طبعی ہوا ادنی، تاریکی ہوا ادنی
جاسوسی قرار دیا جاسکتا ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اپنی واضح
دلیلوں کے بعد بھی اردو ادب کی عظیم اور قدآور شخصیتوں نے جاسوسی
کہانیوں کو ادبی تخلیقات میں شمار نہیں کیا۔ مستند و مستبر نقادوں نے
اگر کہیں اردو فکری و تحقیقی کی ان نگارشات کا ذکر کیا تو ایک
جداگانہ فن کی حیثیت سے کیا اور یہ غرض جاسوسی کہانیاں لکھنے والے

قلم ایسے تھے جنہوں نے مسلسل لکھا اور جاسوسی ادب میں کچھ اعزاز بھی کیے۔ یہ اکرم الہ آبادی، عارف مارہروی اور انصار اثر ہیں۔ ان میں سے اکرم الہ آبادی زیادہ پڑھنے اور سننے والے تھے جنہوں نے نئے نئے صحنے تک فانی ہو کر اس فن سے مجبور رکھا کہ وہ ابن مثنیٰ اور اکرم الہ آبادی میں سے کسی کو افضل قرار دیں لیکن بالآخر ابن مثنیٰ نے یہ معرکہ بھی ہار کر لیا۔

اسی دوران انجیری کے ترحمے کا زور پھر بڑھ گیا۔ اب یہ ایک نئے رنگ کے ساتھ منظر عام پر آئے تھے جس کا نام (دکن) کے منظر اعلیٰ علی نے ڈراگولا سونا سمندر رات کا لاکھن و فیرہ کلہ کر قارئین کو ایک نیا ذائقہ دکھایا۔ یہ ناول اپنی کیفیت نالی کی وجہ سے مقبول ہوئے اور جاسوسی ناولیں پڑھنے والوں کا دھماکا بہانے کے لیے بہت کافی تھے۔ ایک بڑی تعداد نے عام جاسوسی ناول چھوڑ کر یہ ترچمے پڑھنا شروع کر دیے مگر واقعہ ابن مثنیٰ وہ ہستی تھے جو اس طوفان سے بھی متاثر نہ ہو سکے۔ ان کا قاری ہر تجربہ کرنے کے بعد پھر اسی کے پاس پہنچ گیا۔

ابن مثنیٰ کے خلاف آخری یقیناً پاکستانی دانشمندیوں میں شامل ہونے والی وہ طویل کہانیاں تھیں جن کی بنیاد ہندوستانی اور دیو مالانی پس منظر تھا۔ اس راہ سے قارئین کو وہ فائدے بھی کیے گئے۔ ان کہانیوں میں ایران کن واقعات بھی تھے اور سیکس کے جغرافیہ سے بھی لوگوں کا خیال تھا کہ چونکہ یہ دوسری لذت زمینی کی کہانیوں میں تقریباً مفقود ہوتی ہے اس لیے قارئین انھیں عجیب و غریب دیو مالانی کہانیوں کی طرف راغب ہو جاتے تھے۔

لیکن ایسا سوچنے والے یہ بات نہیں سمجھ گئے کہ ایک دھمکے کی آواز ایک لمحے کے لیے ضرور اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے پھر چند ثانیہ کے اندر جب اس کا ذہن اس نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ یہ آواز ایک شاخے کی قٹی تو وہ توڑ پھڑی دھماکے کو فراموش کر دیتا ہے ویسے ہی سیکس ایک وقتی، لمحاتی، شعوری جوش سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

ابن مثنیٰ کی ہر تحریر زندگی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اس کا ہر کردار ہمارا اپنا سا ہی محسوس ہوتا ہے جس کے لیے ہندوستانی سماج کی طرح شعور کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ ہندوستانی کے کرداروں کا ساتھ دینے کے لیے کسی ذہنی محنت کی حاجت ہوتی ہے۔ ان کا تحریر کردہ ہر واقعہ ہماری اپنی زندگی کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی لیے ابن مثنیٰ کا قاری ہر دوسری تحریر کو سونے کر چھوڑ دیتا ہے اس لیے کہ اچھے ذائقہ کے لیے تازگی بھی ایک شرط ہوتی ہے اور یہ تازگی یہ بہت

پڑھنے والوں کو صرف ابن مثنیٰ کی قبروں میں ملتی ہے۔
دل تو جانتا ہے کہ ابن مثنیٰ کی ہر تحریر پر لکھ لکھ کر ہر کون ہر کہانی کی تفصیل پیش کر دے، اس کی خصوصیات متناہیں مگر اس منزل سے جان کو بھڑک کر خاموشی کے ساتھ زور دیا ہوں اس لیے کہ یہ تفصیلات تو ابن مثنیٰ کی ہر قاری کے ذہن پر پہلے ہی نقش ہیں میرے چند الفاظ اس میں کسی اضافہ کا باعث نہ ہوں گے پھر مشہور کہاوت ہے کہ۔

مشک آہستہ کہ خود ہوید، نہ کہ غطار ہوید
مشک وہی ہے جو خود خوش ہو دے۔ یہیں کہ غطار
اس کا تعارف کر لے۔

اپنی کہانیوں کی ابتدا میں ابن مثنیٰ نے جو پیش درس تحریر کیے وہ اپنا علیحدہ مقام رکھتے ہیں۔ ان مختصر قہروں میں انھوں نے بہت کچھ کہا ہے۔ بہت سے عقیدے کو لے لیں۔ اشاروں کی دلیں میں بڑے بڑے مسائل حل کیے ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ اگر آپ پیش درس کی ان تحریروں کو متنبہ کر کے کتاب کی شکل میں شائع کر دیا جائے تو آج کی تصنیفات میں اس کتاب کو بھی حیثیت حاصل ہوگی جو ایک سو سال پہلے کے دور میں غالب کی آرزو میں ملنے کو ہی ملتی تھی۔ ابن مثنیٰ نے رخصت ہو گئے لیکن اپنے پیچھے بہت کچھ چھوڑ گئے عام طور پر لوگ مال و دولت چاہتا اور اولاد چھوڑتے ہیں لیکن ابن مثنیٰ تو بڑی ایک دنیا چھوڑ گئے ہیں۔ اپنی ساری زندگی کا پھوڑا اپنی ذہنی کاوشوں کا انبار اور اس کے ساتھ اپنے لاشعور پرستار۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سب انٹ اور لاشعور میں اور اس کے ساتھ ابن مثنیٰ بھی ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

یہ ابن مثنیٰ کی خوش قسمتی تھی کہ انھیں اپنے لاشعور ہونا چاہوں کے ساتھ ساتھ ایک قدر دان و فاضل اور لائق شکر و بھی ہو گیا اور ابن مثنیٰ کی جو ہر شے نگاہوں نے اسے پہچان بھی لیا۔ اگر ابن مثنیٰ اس پڑھنے والوں انسان پر اعتماد کرتے تو ان کی تحریروں کے خزانے کا بھی وہی انجام ہوتا جو استاد قمر جلالی کے کلام کا ہونے والا تھا اور پھر شاید وہاں کی ایک ایک تحریر کو ہمیشہ ہمیشہ ترستے رہتے مشتاق احمد قریشی کو اس سلسلہ میں جس قدر سراہا جاتے کہتے کہ انھوں نے ابن مثنیٰ کی تحریر کردہ ایک ایک سطر کو محفوظ کر لیا اور انتہائی سلیقہ کے ساتھ ان کے پرتاؤ کی خدمت میں انبار پیش کرتے رہتے ہیں ورنہ یہ توجہ نہ دیتا۔ اور یہ میان مردہ خوروں کی تخریبی کچھ نہ تھی